اِسلام میں اِجتہاد

اور

مذہبِ غیر پر فتویٰ و عمل کی شرعی حیثیت

مؤلف:

مفتی شاہ اورنگزیب حقانی

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مدرس جامعہ ابوہریرۃؓ



القاسم اکیڈمی جامعہ ابوھریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

اِسلام میں اِجتہاد

اور

مذہبِ غیر پر فتویٰ و عمل کی شرعی حیثیت

مؤلف:

مفتی شاہ اورنگزیب حقانی

فاضل و متخصص جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مدرس جامعہ ابو ہریرۃؓ

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوھریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب کا نام:۔۔۔۔ اسلام میں اجتہاد اور مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل کی شرعی حیثیت

مؤلف:۔۔۔۔۔۔۔مولانا مفتی شاہ اورنگزیب حقانی

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مفتی و مدرس جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

نظر ثانی:۔۔۔۔۔۔۔مولانا مفتی مختار اللہ حقانی، ومولانا مفتی غلام قادر نعمانی صاحب

اشاعت اول:۔۔۔۔ یکم محرم ۱۴۳۱ھ

کمپوزر:۔۔۔۔۔۔۔ محمد بلال مزدور اکوڑہ خٹک 0333-9344787

ڈیزائننگ: طالب العلم محمد فیض الہادی متعلم درجہ تکمیل

ناشر:۔۔۔۔۔۔۔القاسم اکیڈمی برانچ پوسٹ خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے:

(۱):۔صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ لسبیلہ چوک کراچی

(۲):۔کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی۔

(۳):۔مکتبہ رشیدیہ سردار پلازہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ۔

(۴):۔مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ (۵):۔مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی۔

(۶):۔مکتبہ معارف محلہ جنگی پشاور۔ (۷):۔مکتبہ رشیدیہ محلہ جنگی پشاور

(۸):۔مکتبہ رشیدیہ عمر فاروق چوک چارسدہ۔ (۹):۔مکتبہ علمیہ محلہ جنگی پشاور

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانے میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

فہرستِ مضامین

باب ثانی مذاہب کا تاریخی ارتقاء

باب ثالث مسئلہ تقلید

باب رابع مسئلہ تلفیق

☆ ☆ ☆

انتساب

☆☆☆☆☆☆☆

والدین سعیدین کریمین، کے نام جن کی شفقت بھری توجہ، پُرخلوص دُعاؤں کی بدولت اللہ کریم نے اس ناکارہ کو یہ چند صفحات سیاہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اور

مادرِ علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی وپیشوا، ولی کامل، محدثِ کبیر حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہٗ کے نام جن کے لگائے ہوئے گلشنِ علوم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں استفادہ نے بفضلہٖ تعالیٰ قلم اُٹھانے اور چند حروف نقش کرنے کی سعادت بخشی۔

اللہ تعالیٰ علوم نبویہ ؐ کی اس عظیم درسگاہ، دیوبندِ ثانی کو تاقیامت آباد وشاداب رکھے۔ آمین

شاہ اورنگزیب حقانی

۵ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات تبرک

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ أمابعد!

''اسلام میں اجتہاد اور مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل'' جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل حضرت مولانا مفتی شاہ اورنگزیب حقانی مدظلہ کی علمی، تحقیقی اور فقہی کاوش ہے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء درس وتدریس ،دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ماہنامہ الحق میں ''فضلاء حقانیہ کی تصنیفی اور تالیفی خدمات'' کے موضوع پر مستقل مضامین کا سلسلۂ اشاعت بھی شروع ہے عربی اور فارسی ،انگریزی، پشتو اور مختلف زبانوں میں تصنیفات اور تراجم فضلاء حقانیہ کا عظیم علمی امتیاز ہے۔ برادرعزیز مولانا مفتی شاہ اورنگ زیب حقانی صاحب نے اس میدان میں اترتے ہی عظیم علمی ہدف ''مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل'' کے عنوان سے ہمہ جہتی جامع، مدلل اور مکمل مقالہ تحریر فرمایا جو علم وتحقیق کے حوالے سے اپنے موضوع پر عظیم علمی پیش کش ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ پاک اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرماوے نقشِ اول جب اس قدر شاندار علمی اور وقیع ہے تو یقیناً نقش ثانی وثالث اس سے بھی بڑھ کر شاندار آئے گا۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وعلیٰ الہ وأصحابہ اجمعین

سمیع الحق

خادم العلم بدارالعلوم حقانیہ

۱۴ ذی قعدۃ ۱۴۳۰ھ

پیش لفظ

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی ومہتمم جامعہ ابوھریرہ

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام علی خاتم الرسالة

پیش نظر وقیع کتاب نوجوان فاضل لائق مدرس حضرت مولانا مفتی شاہ اورنگ زیب حقانی مدرس ومفتی جامعہ ابوھریرہ کی دوسری علمی تحقیقی اور عظیم فقہی کاوش ہے، تحریر اور قلمی کام کے حوالے سے اگرچہ یہ دوسری کتاب ہے مگر علمی، تحقیقی اور فقہی اعتبار سے علم وتصنیف کی دنیا میں اپنے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا ہے خدا کا شکر ہے کہ اللہ پاک نے موصوف کو جوانی میں درس وتدریس اور جامعہ کے شعبہ تعلیمات کے نظامت کے ساتھ ساتھ علم وتحقیق اور مراجعت وترتیب کے کام کے لئے چن لیا ہے۔

دیہاتی ماحول کے ایک متوسط علمی گھرانے کے اس چشم وچراغ سے اللہ پاک نے نور علم کے حوالے سے شمس وقمر جیسی ضیاپاشیوں کا کام لیا ہے، القاسم اکیڈمی اس کتاب کی اشاعت کو سرمایہ سعادت اور لائق صد افتخار سمجھتی ہے۔

عبدالقیوم حقانی

۱۳ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ

تقریظ: حضرت مولانا مفتی غلام قادر نعمانی صاحب مدظلہ

مفتی و مدرس ونگران دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ

نحمده نصلي علی رسوله الكريم : أمابعد!

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کامیابی اور مدد کے لئے اپنا دین مرحمت فرمایا ہے اور اس دین کا سرچشمہ قرآن وسنت کی عظیم تعلیمات کو قرار دیا ہے ان تعلیمات کو امت تک پہنچانے کے لئے ہر دور میں اہل علم اپنی ذمہ داری نبھاتے رہے جسکی وجہ سے یہ تعلیمات، ذخیرۂ فقہ کی صورت میں مبوّب ومفصل ہوکر ہم تک پہنچیں۔ برصغیر میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد جب ان تعلیمات کو جلا ملی تو اکابر نے ان تعلیمات کی خوب تشریح کی۔ دارالعلوم حقانیہ جسے دیوبند ثانی کہا جاتا ہے کے مشائخ، علماء وفضلاء نے بھی اسی درخت کی خوب آبیاری کی اور تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں ایسی خدمات انجام دی جس سے پوری دنیا میں اہل علم، خواص وعوام کسی نہ کسی ذریعہ سے مستفید ہورہے ہیں۔ الحمدللہ! یہ تعلیمات اُمت کے سامنے خوب نکھر کر سامنے آئیں اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ''اسلام میں اجتہاد اور مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل'' ہے جس کے مؤلف جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ہونہار فاضل ومتخصص نوجوان عالم دین مولانا مفتی شاہ اورنگزیب حقانی صاحب ہیں۔ یہ دراصل اُن کے درجہ تخصص کا مقالہ ہے، بندہ نے اول سے لیکر آخر تک پڑھا۔ الحمدللہ! اس تحقیق سے ایک ایسی کتاب تیار ہوگئی جو نوجوان طبقہ کے علماء کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی اور عوام کے لئے اس موضوع میں مفید اور دلچسپ معلومات ہیں۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے علم وعمل میں برکت عطا فرمادیں اور مزید علمی وتحقیقی کاموں کی توفیق رفیق عطا فرمادیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واُصحابہ اُجمعین

غلام قادر عفی عنہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ ۲۴ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ

تقریظ:۔ حضرت مولانا مفتی مختار اللہ حقانی مدظلہم

مفتی و مدرس و اُستاد دارالافتاء و شعبہ تخصص جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ جلّ و علیٰ و الصلوٰت علی خاتم الرسل و الأنبیاء

أمّـا بـعد! اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے ایک جامع و مانع ضابطۂ حیات اسلام تعلیمات کے روپ میں سردار دو عالم حضرت مصطفیٰ احمد مجتبیٰ (ﷺ) پر نازل فرمایا ہے۔ یہ تعلیمات انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں۔ کوئی ایک شعبہ ایسا نہیں اور نہ کوئی حالت ایسی ہے جس کے مسائل کا حل قرآن وسنت میں نہ ہو۔ چونکہ قرآن وسنت پر زیادہ تر اصولی رنگ غالب ہے اسلئے آئمہ مجتہدین اس اصول سے بوقتِ ضرورت اپنی قوتِ اجتہاد کے ذریعے جزئیات کا حل نکالتے ہیں تاکہ امت مسلمہ کے عوام ان جزئیات پر عمل کر کے انکو دین پر چلنا آسان ہو جائے۔

چونکہ آئمہ مجتہدین کے استنباطات میں اختلاف کا آنا فی الواقعہ حقیقت ہے اسلئے ان سے ایک ہی مسئلے کے متعلق مختلف اقوال اور فتاویٰ سامنے آچکے ہیں اور ایک امام کے پیروکار اپنے امام کے قول اور فتویٰ پر عمل کرتے ہیں لیکن کبھی ایسا موڑ آجاتا ہے کہ ایک مذہب کے پیروکار کو اپنے امام کے فتویٰ پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور اس مذہب کا پیروکار دوسرے مذہب کے امام کے قول وفتویٰ پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جسے اصطلاح میں ''فتویٰ علی مذهب الغير'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نفسانی خواہشات کی وجہ سے اپنے مذہب کے قول وفتویٰ کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کے قول وفتویٰ پر عمل کرنے کو جی چاہتا ہے جسے ''عدول عن المذهب'' کہا جاتا ہے اور کبھی زیادہ روشن خیالی کی وجہ سے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں نہ ایسی فقہ و مذہب مرتب کی جائے جس میں چاروں مذاہب سے اخذ شدہ حالات حاضرہ کے مطابق آسان جزئیات اور اقوال درج ہوں اور ایک ہی وقت میں تمام مذاہب پر

عمل ہو، اسے ''تلفیق'' کہا جاتا ہے۔ ظاہر میں یہ آخر الذکر خیال وتصور اچھا اور خوشنما معلوم ہوتا ہے مگر در پردہ اس میں وہ زہر ہے جو انقیاد واتباع کو ختم کر کے خواہش پرستی کو جنم دیتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں انہی اصطلاحات میں فرق اور اس کے حدود اور اسلامی تعلیمات میں ان کا شرعی حکم مدلل اور مفصل بیان کیا گیا ہے۔ جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء کا اصول وقانون ہے کہ تخصص فی الفقہ کے سال دوم کے طالب علم کو تحقیق اور ریسرچ کے لئے بطور مقالہ ایک خاص موضوع اور عنوان حوالہ کیا جاتا ہے جس پر وہ تحقیقی مقالہ تحریر کرے مولانا مفتی شاہ اورنگ زیب صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ بھی شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء کے ذہین، قابل ذی استعداد طالب علموں سے ایک طالب علم تھے اسلئے جامعہ کے شعبہ تخصص میں مولانا موصوف کو ''حکم التلفیق وعدول عن المذهب'' یعنی ''اسلام میں اجتہاد اور مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل'' کے عنوان سے تحقیق اور ریسرچ کے لئے مقالہ دیا گیا چنانچہ موصوف نے انتہائی عرق ریزی اور جاں فشانی سے اپنے مقالے میں مدلل، شستہ، شگفتہ اور عام فہم انداز تحریر کیا ہے موصوف نے اس مقالے میں مسئلہ اجتہاد، مذاھب کا تاریخی ارتقاء، تقلید، مذھب غیر پر فتویٰ اور خصوصیت سے مسئلہ تلفیق اس کے اسباب، نقصانات اور حکم پر مدلل، مفصل اور جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے اور اب افادہ عام کے لئے اس مقالے کو کتابی شکل میں ادارہ القاسم اکیڈمی شائع کرنا چاہتی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مفتی شاہ اورنگ زیب صاحب حفظہ اللہ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کی اس عظیم کاوش کو مقبول عام فرما کر دنیا اور آخرت میں موصوف کی کامیابی اور کامرانی کا ذریعہ بنائے اور موصوف کو مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

مختار اللہ حقانی

خادم دار الافتاء شعبہ تخصص فی الفقہ جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو محمد ایاز ملکانوی

صدر مدرس جامعہ سراج العلوم لودھراں

بسم اللہ عزوجل

زیر مطالعہ کتاب ''اسلام میں اجتہاد اور مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل'' دیکھنے کا موقعہ ملا۔

خدا کرے زور قلم اور زیادہ، مندرجات معیاری تحقیق خوب تر۔

لائق استفادہ اور اہل علم و دانش کے لئے دیکھنے کی چیز ہے۔

مجھ جیسے کم علم کی تعریف و توصیف کا کیا معنی گویا ریشمی قباء میں ٹاٹ کی پیوند کاری۔

آخر کیوں نہ جب علمی و تحقیقی کام عصر حاضر کے قیوم علم و قلم کی زیر نگرانی انجام پائیں گے تو معیار تحقیق کا حسن و جمال حرف آخر ہی ہوگا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

دعا گو ہوں کہ حضرت حق تعالیٰ اس مقالہ کو حسن قبول نافع اور مؤلف موصوف کے لئے ذریعہ نجات بنائے المختصر اہل علم و فضل اور ارباب فکر و نظر کے لئے علمی سوغات سے کم نہیں۔

بہر حال روئے زیبا را حاجت مشاطہ نیست

والسلام

بندہ ناتواں ابو محمد ایاز ملکانوی

جامعہ سراج العلوم عید گاہ لودھراں

یکم مارچ ہفتہ 2008ء

تقریظ

جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث

حضرت مولانا سلیم بہادر ملکانوی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا مفتی شاہ اورنگزیب حقانی مدظلہ کے تخصص کا مقالہ ''مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل'' کا مطالعہ میسر آیا احقر چونکہ اس نازک ترین اور اہم ترین فقہی میدان کا راہی نہیں ہے اس لئے خاصے علمی اضافے کا باعث بنا۔ ماشاءاللہ اپنے موضوع پر ایک عمدہ تحریر ہے اور ارباب علم وفضل کیلئے ایک اچھا علمی وقیع ذخیرہ منصۂ شہود پر آ گیا۔

احقر کی رائے میں ہر لائبریری اور دارالافتاء میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول عام نصیب فرمائے اور مقالہ نگار مفتی شاہ اورنگ زیب صاحب مدظلہ، کو ڈھیروں اجر اور علمی ترقی سے نوازے۔

جزاه الله تعالىٰ عنى وعن جميع المسلمين خير الجزاء .

فقط

سلیم بہادر ملکانوی

جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

۱۸ صفر ۱۴۲۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ:

الحمد لله الذي خلق الإنسان وعلمه البيان وأنزل الكتب ليميز أولياء الرحمٰن من أولياء الشيطان . و الصلوة و السلام على سيد الرسل وحبيب الرحمٰن و على آله و أصحابه الذين هم معايير الحق والإيمان وعلى الأمة بتربية الأئمة المجتهدين سيما أبي حنيفة النعمان الذي شرّح الوحي بالاجتهاد إلى يوم الفرقان ومنّ على الأئمة وشموس الزمان وعلى من تبعه وتبعهم إلى يوم الدين بإحسان .

وبعد !

بلا شک وشبہ اسلام ایک کامل دینِ متین ہے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے راہنما ہے۔ اس لئے اس دین کو ضابطۂ حیات کہا جاتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن وسنت نے اس دین متین کو اُصول وکلیات کی شکل میں بیان کیا ہے، جس سے حقائق تک رسائی ہر کس وناکس کی بات نہیں تھی۔ حضرات فقہائے کرام، ائمہ مجتہدین اور خصوصاً ائمہ اربعہ نے اس کلیات واصول اور منتشر جزئیات کو ایک منظم شکل وصورت میں پیش کیا، ان کلیات کی تشریح کی اور حلوا بنا کر اُمت کے آگے رکھ دیا اور پھر خاص مدوّنِ اوّل امام اعظم ابوحنیفہؒ اور اُن کے تلامذہ نے ایک شورائی نظام کے تحت اس کی تبویب وتدوین کی، چنانچہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

الفقه زرعه عبدالله بن مسعود رضي الله عنه . وسقاه علقمة ، وحصده ابراهيم النخعي ، وداسه حماد ، وطحنه أبو حنيفة ، وعجنه أبو يوسف ، وخبزه محمد . فسائر الناس يأكلون من خبزه . (درمختار مقدمہ ج۱ ص۳۴)۔

کہ فقہ کی فصل عبداللہ بن مسعودؓ نے کاشت کی علقمہؒ نے اُس کی آبیاری کی، ابراہیم نخعیؒ نے اس فصل کو کاٹا، حمادؒ نے گاہا، امام ابوحنیفہؒ نے اُس سے آٹا بنایا اور اس کو امام ابو یوسفؒ نے گوندھا، امام محمدؒ نے اس کی روٹی پکائی اور سب لوگ اُس کی روٹی کو کھا رہے ہیں۔

اور پھر اُن کے بتائے ہوئے اُصول اور طریقہ کار پر اور اُن کے بنیادوں پر تعمیر کرتے ہوئے دوسرے مذاہب نے کام شروع کیا اور مدوّن اوّل امام ابوحنیفہؒ کی فقہی استعداد کا اعتراف کرتے ہوئے امامِ شافعیؒ نے فرمایا کہ:

الناس في الفقه عيال أبي حنيفةؒ .

اور آگے فرمایا:

من أرادالفقه فليزم أصحاب أبي حنيفةؒ فإن المعاني قد تيسرت لهم . و الله ماصرت فقيهاًإلاّ بكُتب محمدبن الحسن . (درمختار مقدمہ ج ا ص ۳۵)۔

کہ جو حصولِ علمِ فقہ کا ارادہ رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کا دامن پکڑے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے فقہ کو آسان کر دیا۔ میں امام محمد بن الحسنؒ کی کتابوں کی بدولت ہی فقیہ بنا۔

ائمہ مجتہدین کا یہ احسان لوگوں پر تا قیامت رہے گا، دنیا میں تقریباً ثلث اُمت اور خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں روزِ اوّل سے لے کر آج تک غالب مسلک سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہی مسلک علماً اور عملاً متواتر ہے اور صدیوں سے اسلامی ممالک میں فقہاء احناف کا مدوّن کردہ اسلامی قانون نافذ رہا ہے۔ ہمارے علمائے دیوبند کی دینی خدمات بھی اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

علمائے دیوبند نے ہندو پاک کے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اپنی عمر کی ساری بہاریں اور لذتیں قربان کیں اور پوری انسانیت کو اسلام کے ابدی پیغام اور اس کی روشن تعلیمات سے روشناس کرایا۔ نیز اجتماعی، سیاسی اور مذہبی ہر سطح پر مسلمانوں کی قیادت

کا فریضہ انجام دیا۔قرآن وسنت کی قابلِ فخر خدمات انجام دیں اور اشاعتِ علم اور تدوین فقہ وحدیث میں ایسا معیار قائم کیا جس کی نظیر گذشتہ کئی صدیوں تک ملنا مشکل ہے۔

پورے عالمِ اسلام کے علمی طبقوں نے ان مخلصین کے مخلصانہ خدمات کی تحسین کی۔اہلِ حق وانصاف نے ان کے روشن کردار کا اعتراف کیا اور اہل تاریخ نے تاریخ میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کیا۔ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا ہمیشہ سے یہ مزاج اور مسلک رہا ہے کہ اُمت مسلمہ کے درمیان واقعی فروعی اختلاف کو عوامی سطح پر اُچھالنے کے بجائے خالص علمی اور تحقیقی حلقوں تک محدود رکھا جائے۔خصوصاً علمائے دیوبند کی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ وہ اختلافی مسائل کو نزاعی صورت میں اُچھالنے سے باستثناءِ چند مستثنیات کے ہمیشہ کنارہ کش رہے ہیں، مگر ہمیشہ سے ہوتا چلا آرہا ہے کہ باطل ہزار پسپائی کے باوجود اپنے ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آتا۔ہندوستان میں بھی اہلِ حق کے ساتھ ایسا ہی کچھ دین دشمن جماعتوں اور تحریکوں نے اُن کے خلاف جھوٹے الزامات وافتراءات کے ذریعے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی بہت کوشش کی اور اہلِ علم حضرات نے ان کا منہ توڑ جواب دیا۔اہل زیغ کے مغلطات میں ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ حنفیوں، شافعیوں، مالکیہ اور حنابلہ نے اپنے مذاہب کو کیوں متعین کیا ہے کہ حنفی مذہب محض حنفی مذہب پر عمل کرتے ہیں اور شافعی شافعی مذہب پر، جب یہ چاروں مذاہب حق ہیں تو پھر بیک وقت سب پر کیوں عمل نہ کیا جائے، یا ایک ایسا مذہب مرتب کیا جائے جو چاروں مذاہب کا مجموعہ ہو، ایسا کہنا اگرچہ بظاہر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، مگر در پردہ اس میں وہ زہر ہے جو محسوس نہیں ہوتا۔

بندہ ناچیز جامعہ حقانیہ کے شعبہ تخصص فی الفقہ والإفتاء کا ایک ادنیٰ طالبعلم ہے۔چونکہ شعبہ تخصص کے سالِ دوم کے طالبعلم کو اُصول کے ماتحت ایک موضوع پر مقالہ لکھنے کو دیا جاتا ہے۔اسلئے بندہ کو ''اسلام میں اجتہاد اور مذہب غیر فتویٰ اور عمل کی شرعی حیثیت'' کی موضوع پر یہ مقالہ سپرد کیا گیا۔اس موضوع پر چند صفحات سیاہ کرنا اگرچہ مجھ جیسے طفل

مکتب کا کام نہ تھا،مگر حضرات اساتذۂ کرام کی دعوات اورتوجہات سے ناممکن ممکن ہوا۔

چنانچہ موضوع کی اجمالی فہرست اساتذۂ کرام کے مشورہ سے بنائی گئی ،موضوع اپنے خدوخال کی اعتبار سے بہت اہم اور دلچسپ تھا۔محض علمی اور فقہی موضوع ہونے کی وجہ سے حضرات اساتذۂ کرام زیدمجدہم کی خصوصی توجہات بلکہ یہ سب انہیں تقدس مآب حضرات کا رہینِ منت ہے۔ بالخصوص حضرت الاستاد مولانا مفتی مختار اللہ صاحب حقانی اور حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب نعمانی اطال اللہ عمرہم وبقاءہم اساتذہ شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء ومفتیان جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے کمال توجہ اورانتہائی شفقت فرما کرمقالہ ہذا پرنظرِثانی کر کے بندہ کی راہنمائی فرمائی۔

بندہ نے تصحیح کی مکمل کوشش کی ہے تاہم اگراہل علم حضرات کی نظر میں اگرکوئی کمی آجائے تو برائے کرم بندہ کواطلاع دیجئے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔

آخر میں اپنے تمام علمی معاونین کا انتہائی ممنون واحسان مند ہوں جن کی توجہات ونوازشات سے یہ سب ممکن ہوا۔

رَبَنَا تَقَبَلْ مِنَا إِنَکَ أَنت السمِيْعُ الْعَلِيْم

وَمَا توفِيْقِيْ إِلاَّ بِاللّٰه عَليه توكلْتُ وإليه أُنِيب

العبد شاہ اورنگزیب حقانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول :

مسئلہ اجتہاد

اجتہاد قرآن وحدیث کے بعد اسلامی قانون کا وہ اہم سرچشمہ ہے جونمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرے کی رہنمائی کا واحد ذریعہ ہے اور ہدایتِ خداوندی کی تکمیل کا اہم باب ہے۔ حضورِ اقدس (ﷺ) نے خود اس کا دروازہ کھولا، تاکہ بعد کے مسلمانوں کے لئے دیگر اُمور کی طرح اس میں بھی آپ (ﷺ) کی زندگی کا نمونہ ثابت ہو۔

لیکن وحی الٰہی سے حضور (ﷺ) کا تعلق قائم ہونے اور براہِ راست اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہنے کی وجہ سے آپ (ﷺ) کے اجتہاد میں خطا اور غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا بلکہ دین وشریعت کے متعلق جو کچھ آپ (ﷺ) نے اجتہاد کے ذریعے فرمایا وہ بھی اس آیت مبارکہ کے عموم میں داخل ہے :

﴿ وَ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَھٰکُم عَنْهُ فَا انْتَھُوْ ﴾ .[۱]

اور رسول (ﷺ) تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رُک جایا کرو۔ [۲]

---

(۱) الحشر آیت : ۷۔

(۲) بیان القرآن۔

اجتہاد کا دائرۂ کار :

رسولِ اقدس (ﷺ) نے ۹ ہجری میں حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ فرمایا تو پوچھا ''اے معاذ ! فیصلہ کیسے کرو گے''؟ تو انہوں نے عرض کیا: ''کتاب اللہ سے'' آپ (ﷺ) نے فرمایا : ''فإن لم تجد فيه'' : عرض کیا : ''أجتَهِدُ برائی ولا آلو'' : تو آپ (ﷺ) نے فرمایا :

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رسولِ اللّٰه لِمَا يَرضٰی به رسولُ اللّٰه)): (۱)

وہ مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں :

مسائل شرعیہ سب کے سب محلِ اجتہاد نہیں ہیں، ان میں بعض ایسے ہیں کہ جن میں اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ الدکتور محمد فوزیؒ لکھتے ہیں :

''لَيسَتُ الأحكام الشرعية كلّها محلاً للاجتهاد ، فمنها مالا يجوز الاجتهاد فيه ، و منها ما يجوز فيه الاجتهاد'' .

(۱)''فالأحكام التي لا يجوز فيها الاجتهاد هي الأحكام التي لا تتبدل على مدى الزمان ، و يمكن تسميتها بالقطعيات وهي التي تثبت بدليل نقليّ لا شكّ في ثبوته وفي دلالته أو ثبت بطريق عقليّ لا شكّ فيه و يشتمل على ما يأتي'' (۲)

وہ احکام جن میں اجتہاد جائز نہیں وہ یہ ہے کہ زمانے کے گزرنے سے اس میں تغیر نہیں آتا جن کو قطعیات کہتے ہیں وہ یہ کہ دلیل نقلی سے ثابت ہو جن کے ثبوت و دلالت میں شک نہ ہو یا عقلی طریقے سے ثابت ہو جس میں کوئی شک نہ ہو جو مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) اعتقادیات جیسے: ایمان باللہ ، بالملائکہ، بالکتاب ، بالرسول ، باليوم الآخر وغیرہ۔

---

(۱) أبوداود ج۲ ص۱۴۹، ترمذی ج ۱ ص۳۷۹۔

(۲) محمد فوزی الاجتهاد في الشريعة الإسلامية ص: ۶

(۲) الأخلاقیات : سچ گوئی کی تحسین، جھوٹ کی مذمت، مسکین کا اکرام، مہمان نوازی، ضعیف پر رحم وغیرہ۔

(۳) الضروریات : جوشرع میں ثبوت قطعی سے ثابت ہو مثلاً :صوم وصلوٰۃ وغیرہ۔

(۱) المقدرات : جیسے حدود و کفارات اور مقادیرِ زکوٰۃ۔

(۲) الیقینیات : جن میں مجتہدین میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا ہو: جیسے فرضیتِ صوم وصلوٰۃ وغیرہ۔

(۳) اسی طرح وہ قواعد جوشارع کی طرف سے ہیں: مثلاً ''قاعدہ رفع حرج'' قاعدہ استثناء الضروریات ومنع الإضرار بالآخرین، والوفاء بالعقود، والتزام لشروط وما إلیها ۔تو یہ قطعیات محلِ اجتہاد نہیں ہے۔

(۲) وہ احکامات جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

۱) ''الأحکام العملیته التي تستند إلی دلیل ظنی الثبوت، کخبر الاحاد، ففیها مجال للاجتهاد'' ۔

یعنی وہ احکاماتِ عملیہ جن کی دلیل ظنی الثبوت ہو، جیسے خبر آحاد تو اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

جیسے حدیث قلتین عندالأحناف مضطرب ہے اور عندالشافعیہ ثابت ہے۔

اور حدیث ''نقض الوضوء بالقهقهة'' شوافع کے نزدیک ثابت نہیں جبکہ احناف کے نزدیک ثابت ہے۔

۲) ''الأحکام العملیته التي تستند إلی دلیل ظنی الدلالة ففیها مجال للاجتهاد :''

83854

یعنی وہ احکاماتِ عملیہ جن کی دلیل ظنی الدلالۃ ہو، تو اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

جیسے زکاۃ الأم ، زکاۃ الجنین ثابت نہیں ہے عند الأحناف (حرمت علیکم المیتۃ) کی بنیاد پر۔ [۱]

اورامام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ (زکوٰۃ الأم زکوٰۃ الجنین) ثابت ہے۔

اور وہ احکامات عملیہ جس میں نص وارد نہیں تو اس میں اختلاف کی گنجائش بہت وسیع ہے۔

۳) أماالأحکام العملیته التي لم یرد فیها النص أصلاً ففیها مجال الاختلاف أوسع :

(۴) اسی طرح قواعداصولیہ مذھبیہ بھی ہیں احناف کے نزدیک زیادۃ علی النص نسخ ہے اورشوافع کے نزدیک نسخ نہیں ہے۔ [۲]

(۱) لغت میں اجتہاد کا معنی

اجتہاد کے لغوی معنی کسی بات کی تحقیق میں انتہائی جدوجہد کرنا۔کلام عرب میں یہ لفظ اس جدوجہد میں استعمال ہوتا ہے جس میں محنت شاقہ برداشت کرنی پڑے اس لئے :

أجتهد في حمل الرحاء: چکی کا پاٹ اُٹھانے میں اس نے جدوجہد کی کہنا صحیح ہےاور أجتهد في حمل خردلة : رائی کا دانہ اُٹھانے میں اس نے جدوجہد کی کہنا صحیح نہیں ہے۔ [۳]

قال الغزاليؒ : "الاجتهاد لغة : بذل المجهود واستفراغ الوسع فی فعل من الأفعال و لا يستعمل إلّا فيما فيه كلفة وجهدُ." [۴]

یہی لغوی معنی مولانا محمد حنیف ندویؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ [۵]

(۱) سورۃ المائدہ آیت:۳۔ (۲) محمد فوزی فیض اللہ۔الاجتہاد فی الشریعۃ الإسلامیہ ص۱۶ تا۲۱ ۔بیروت دمشق۔

(۳) الموفقات للشاطبیؒ ج۴ بحوالہ "اجتہاد" تقی امینی صاحب (۴) المستصفی فی علم الاصول ص۶۶۔

(۵) مسئلہ اجتہاد،ص:۱۰۹۔

اُصولِ فقہ کی معتبر کتاب ''توضیح تلویح میں'' اجتہاد کے لغوی معنیٰ '' تحمل الجھد '' مشقت برداشت کرنا مذکور ہے۔ (۱)

اسی طرح اجتہاد کا لغوی معنیٰ علامہ ابن عابدینؒ یوں بیان کرتے ہیں :

الاجتهاد : هو لغة : بذل المجهود في تحصيل ذی كلفة ۔ (۲)

ایک ذی مشقت چیز میں کوشش خرچ کرنا ہے۔

اور اس کا اندازہ صاحبِ تلویح نے ان الفاظ سے لگایا ہے جس کو علامہ شامیؒ نے تلویح سے نقل کیا ہے کہ مُجتہِد مجتہَد میں مزید کوشش سے اپنے آپ کو عاجز پائے :

قال في التلويح: "ومعنى بذل الطاقة أن يحس من نفسه العجز عن المزيد عليه". (۳)

اور '' بذل الطاقة '' کا معنیٰ ہے کہ مجتہد اپنے اس اجتہاد میں اتنی کوشش کرے کہ مزید کوشش سے عاجز آ جائے ۔

(۲) اصطلاح میں اجتہاد کا معنیٰ

علامہ سید شریف جرجانیؒ یوں فرماتے ہیں :

''الاجتهاد بذل الوسع و في الإصطلاح استفراغ الفقيه الوسع ليتحصل له ظنٌ بحكم شرعي ''۔ (۴)

لغت میں اجتہاد کوشش کرنا جبکہ اصطلاح میں فقیہ کا اپنی کوشش کو مکمل متوجہ کرنا تا کہ اُسے ایک حکم پر غالب گمان حاصل ہو جائے۔

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: ''**حقيقة الاجتهاد علىٰ مايفهم من كلام العلماء : استفراغ الجهد في إدراک الأحكام الشرعيّة الفرعيّة عن أدلتها التفصيلية**

(۱) توضیح وتلویح ،ص:۱۱۷، جز ثانی ۔ (۲) شامی ج:۸،ص:۴۶۔

(۳) شامی ج:۸،ص:۴۶۔ (۴) کتاب التعریفات ص:۴۔

الراجعة كلياتها إلى أربعة أقسام : ألكتاب، والسنة، والإجماع، والقياس "۔ ؁

اجتہاد کی تعریف جو کلامِ علماء سے سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ خوب محنت کرنا دریافت کرنے میں شریعت کے احکام فرعی کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جن کی کلیات کا مآل چار قسم پر ہے یعنی کتاب، سنت، اجماع اور قیاس ۔؂

اسی طرح علامہ شاطبیؒ اجتہاد کے اصطلاحی معنیٰ یوں بیان کرتے ہیں :

"الاجتهاد : هو استفراغ الجهد وبذل غاية الوسع إمافي درک الأحكام الشرعيه وإما في تطبيقها" . ؃

احکام شرعیہ کی دریافت میں یا ان کی تطبیق میں خالی الذہن ہوکر انتہائی جدوجہد صرف کرنا۔

علامہ ابن عابدینؒ اصطلاحی تعریف یوں بیان کرتے ہیں :

وعرفاً ذٰلک من الفقيه فی تحصيل حكم شرعيٍ والمراد بذٰلک "بذل الجهد" : ؄

اور اصطلاح میں فقیہ کا انتہائی جدوجہد صرف کرنا کسی حکم شرعی کی تحصیل میں ۔

نیز علماءِ اصولیین سے اجتہاد کی اصطلاحی تعریف کچھ اس طرح منقول ہے :

"بذل الجهد في استخراج الأحكام الشرعية من الأدلة الشرعية "؅

ادلۂ شرعیہ (کتاب، سنت، اجماع، قیاس) سے احکام شرعیہ کے حصول کے لئے انتہائی جدوجہد کا نام اجتہاد ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وهوأن يبذل جهده في طلب الظن بحكم شرعی عن هذه الأدلة " ٦

(۱) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ص ۳۔ (۲) شامی ج ۱ ص ۴۶۔

(۳) الموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۸۹ بحوالہ "اجتہاد"۔ (۴) ردالمحتار ج ۱ ص ۴۶

(۵) تسہیل الوصول الی علم الاصول ص: ۳۱۸۔ (۶) فتح القدیر ج ۶ ص: ۳۶۲۔

اجتہاد یہ ہے کہ ادلہ اربعہ سے حکم شرعی پر غالب گمان کی تحصیل کے لئے بھرپور سعی کرنا۔

استاد ابوزھرہ المصریؒ اجتہاد کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں :

''ھو بذل الفقیة وسعه في استنباط الأحكام العملية من أدلتها التفصيلية وقيل الاجتهاد : في اصطلاح : استفراغ الجهد وبذل غاية الوسع إمّا في استنباط الأحكام وإمّا في تطبيقها''۔ [۱]

کہ اجتہاد یہ ہے کہ فقیہ کا اپنی طاقت خرچ کرنا احکاماتِ عملیہ کے استنباط میں اُن کے ادلۂ تفصیلیہ سے (کتاب وسنت وغیرہ) اور کہا گیا ہے کہ اجتہاد: احکامِ شرعیہ کی دریافت میں یا اُن کی تطبیق میں خالی الذہن ہو کر انتہائی جدوجہد صرف کرنا۔

علامہ آمدی نے اجتہاد کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی ہے :

''هو في الإصطلاح استفراغ الوسع في طلب الظن بشيء من الأحكام الشرعيّة ليحس من النفس المعجز عن المزيد عليه۔'' [۲]

اصطلاحِ فقہاء میں احکام شرعیہ میں سے کسی چیز کے بارے میں ظنِ غالب کو حاصل کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کرنے اور طاقت کھپانے کے ہیں کہ اس پر اس سے زیادہ غور و خوض ممکن نہ ہو۔

خلاصۂ تعریفات :

گذشتہ تعریفات میں یہ بات ذکر ہے کہ ''ادلہ شرعۂ'' سے ''احکامِ شرعیہ'' کے حصول کے لئے کوشش صَرف کرنا اجتہاد ہے اور یہ خلاصہ ہے ان مذکورہ تمام تعریفات کا لیکن اس ادلۂ شرعیہ کے علاوہ وہ احکام و مسائل جن میں علمائے سابقین کے اقوال موجود ہوں اُس سے تحصیل احکام شرعیہ کو بھی اجتہاد کہا جاتا ہے جیسا کہ امام شاہ ولی اللہؒ رقمطراز ہیں :

(۱) استاذ ابوزہرۃ المصریؒ۔ تاریخ المذاہب الإسلامیہ ص ۳۲۱۔ (۲) ارشاد الفحول بحوالہ مسئلہ اجتہاد ص: ۱۰۹۔

’’ و يفهم من هذا أنه أعمّ من أن يكون استفراغًا في إدراك حكم ما سبق التكلم فيه من العلماء السابقين أو لا وافق في ذلك أو خالف و من أن يكون ذلك باعانة البعض في التنبيه على صور المسائل والتنبيه على مآخذ الأحكام من الأدلة التفصيلية أو بغير إعانةٍ منها ‘‘۔ ۱

اس تعریف سے معلوم ہوگیا ہے کہ اجتہاد اس سے عام ہے کہ محنت کامل ایسے حکم کے معلوم کرنے میں ہوئی ہو، جس میں علمائے سلف کی گفتگو ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو مجتہد اس اجتہاد میں علماء سابق کا موافق ہو یا مخالف اور نیز اس سے عام یہ ہے کہ اجتہاد کسی کی اعانت سے ہوا ہو مثلاً کسی نے مسائل کی صورتوں کو بتا دیا ہو اور مآ خذ احکام پر دلائل تفصیلی سے اشارہ کردیا ہو یا کسی کی اعانت سے نہ ہوا ہو۔

اجتہاد کے لئے مطلوب جد جہد :

اجتہاد میں جس قدر محنت اور جدوجہد درکار ہے اس کے متعلق مولانا عبدالحلیم صاحب نقل کرتے ہیں :

بحيث يحس عن نفسه العجز عن المزيد عليه. ۲

’’کہ مجتہد مسئلہ کے حل کے لئے اتنی کوشش صرف کرے کہ مزید کوشش سے عاجز آ جائے‘‘۔

اسی طرح توضیح تلویح میں مذکور ہے :

بذل تمام الطاقة بحيث يحس من نفسه العجز عن المزيد عليه. ۳

’’تمام طاقت خرچ کرنا اس طور پر کہ مجتہد مزید کوشش سے اپنے کو عاجز پائے‘‘۔

یہ طاقت بھر کوشش کس کی معتبر ہوگی :

یہ طاقت بھر کوشش اور جد جہد اُسی کی قابل اعتبار ہوگی جو اجتہاد کی اہلیت وصلاحیت

(۱) عقد الجید ص:۶۔ (۲) قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار ص ۲۴۶۔

(۳) توضیح تلویح جز ثانی ص ۱۱۷ بحوالہ ’’اجتہاد‘‘۔

رکھتا ہو۔ غیر فقیہ کی محنت وکوشش کا اعتبار نہ ہوگا، خواہ وہ کتنی زیادہ کیوں نہ ہو۔

فخرج استفراغ غير الفقيه و سعه في معرفة حكمٍ شرعيٍّ۔ [1]

فقیہ کی قید سے غیر فقیہ کی وہ محنت وجدوجہد خارج ہوگئی جو وہ شرعی حکم کی دریافت میں کرے۔

اسی طرح مولانا عبدالحلیم صاحب لکھتے ہیں :

هو بذل الفقيه طاقته ...... الخ۔ [2]

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں :

و عرفًا : ذلک من الفقيه في تحصيل حكم شرعي۔ [3]

ان تعریفات اور تصریحات سے اجتہاد کی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ فقیہ انتہائی جدوجہد اور پوری محنت سے اس طرح نئے مسائل کا حل دریافت کرے یا موجودہ مسائل میں موقع ومحل پر منطبق کرنے کی صورت نکالے کہ ان کی بنیاد فقہی ماخذوں میں کسی پر قائم ہوجائے اور پھر وہ مسائل ایک رشتہ میں منسلک اور ایک کڑی میں پروئے ہوئے نظر آئیں۔

اجتہاد کب کیا جائے ؟

اجتہاد کا یہ مفہوم نہایت وسیع اور جامع ہے اور درجہ ذیل صورتوں کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے :

(۱) اجتہاد اُن احکام ومسائل میں ہو جن میں فقہاء پہلے غور وفکر کر چکے ہوں۔

(۲) ان احکام ومسائل میں جو پہلے سے موجود نہ ہوں بلکہ حالات وتقاضے کے مطابق اب اُن کی ضرورت پیش آرہی ہو۔

(۳) اجتہاد سابق فقہائے کرام کی رائے کے موافق ہو۔

---

(۱) توضیح تلویح ص ۱۱۷ بحوالہ ''اجتہاد''۔ (۲) قمر الأقمار حاشیہ نور الأنوار ص ۲۴۶

(۳) رد المحتار ج ۸ ص ۴۶۔

(۴) بنیاد میں اتفاق کے باوجود مختلف وجوہات کی بناء پر آراء مختلف ہوگئیں ہوں۔

(۵) اجتہاد شورائی طرز کا ہو، آپس میں ایک دوسرے کی اعانت و مدد سے کسی نتیجہ پر پہنچا چکا ہو۔

(۶) انفرادی اجتہاد ہو اور اس میں قلبی اطمینان حاصل ہوا ہو۔

(۷) اجتہاد موقع ومحل کے تعین کیلئے ہو۔

(۸) اجتہاد مختلف اقوال میں حالات کے لحاظ سے ترجیحی صورت پیدا کرنے کے لئے ہو۔

(۹) حکمِ شرعی کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے حکم کا نیا قالب تیار کرنے کے لئے اجتہاد ہو۔

(۱۰) حالات کی تبدیلی کی بناء پر اصل حکم میں مشقت و دشواری پیش آ رہی ہے یا مضرت کا یقین ہے تو سہولت پیدا کرنے یا دفع مضرت کیلئے اجتہاد ہو۔

الغرض ...... ''اجتہاد'' کے وسیع دائرہ میں وہ تمام ناگزیر صورتیں اور ضرورتیں داخل ہیں جن میں احکام کے ذریعے حکمتِ الٰہی (حصولِ منافع، دفع مضرت) مقصود ہو اور مختلف احوال واسباب کی بناء پر اس میں رُکاوٹ پیش آ رہی ہو۔ [۱]

۳ ...... اجتہاد کے شرائط

شرائط اجتہاد جاننے سے پہلے یہ بات بہت ضروری ہے کہ اجتہاد کون سے مسائل میں ہے اور یہ بھی من وجہ شرائط اجتہاد میں سے ہے :

مسائل مجتہد فیہ کی تفصیل :

مسائلِ فرعیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) منصوصہ (۲) غیر منصوصہ۔

(۱) مولانا تقی امینی صاحب۔ مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر ص: ۲۴۲، ص ۲۴۳۔

پھر مسائل منصوصہ دو قسم پر ہیں :

(۱) متعارضہ (۲) غیر متعارضہ۔ پھر غیر متعارضہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) محکمہ (۲) محتملہ۔

ہر ایک مسئلہ میں اجتہاد کا حکم :

(۱) مسائلِ منصوصہ غیر متعارضہ محکمہ میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے نہ تقلید کی۔ مثلاً پانچ نمازوں کی فرضیت، نصابِ زکوٰۃ وغیرہ۔

(۲) مسائلِ منصوصہ متعارضہ میں رفع تعارض کر کے مجتہد راجح نص پر عمل کرتا ہے اور مقلد بھی اس کی رہنمائی میں راجح نص پر عمل کرتا ہے۔ مثلاً ترکِ قرأت خلف الامام، ترک رفع یدین، آمین بالاخفاء وغیرہ۔

(۳) مسائلِ منصوصہ محتملہ میں مجتہد اپنے اجتہاد سے راجح احتمال تلاش کرتا ہے اور اس نص کے راجح احتمال پر عمل کرتا ہے اور مقلد اس کی رہنمائی میں عمل کرتا ہے۔ مثلاً احکام، فرض، سنت اور واجب۔

(۴) مسائل غیر منصوصہ میں مجتہد منصوص مسائل میں کوئی علت تلاش کرتا ہے وہی علت جن غیر منصوص مسائل میں پائی جاتی ہے تو وہی حکم اس میں جاری کرتا ہے اور مقلد مجتہد کی رہنمائی میں اس حکم پر عمل کرتا ہے جس کی بنیاد مجتہد نے کتاب وسنت کی بنیاد پر رکھی ہے۔

عمومی شرائط :

اجتہاد کے لئے مجتہد کے اندر عمومی شرائط یہ ہیں :

و شرطه الإسلام ، والعقل ، والبلوغ۔ [1]

اسی طرح الدکتور فیض اللہ فوزی لکھتے ہیں :

(۱) رد المحتار ج:۸، ص:۴۶۔

''شروطه الذاتية فى المجتهد وهي أن يكون مسلماً عاقلاً بالغا عارفًا بالدليل العقلى، وهو البراءة الأصلية و استصحاب العدم الأصلي حتّى يرد الدليل'' ۔ ۱

یعنی مجتہد کے لئے مسلمان ہونا لازمی ہے اور اسلام کے ساتھ ساتھ عقل اور بلوغ بھی لازمی ہے تو کافر اور صبی کا اجتہاد غیر معتبر ہے۔

مطلق اجتہاد کے شرائط :

مطلق اجتہاد کے لئے علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے جو شرائط ذکر کئے ہیں، وہ درجہ ذیل ہیں :

''وكونه فقيه النفس: أى شديد الفهم بالطبع، وعلمه باللغة العربية و كونه حاوياً لكتاب الله تعالى فيما يتعلق بالأحكام، و عالماً بالحديث متنا و سنداً، و ناسخاً و منسوخاً و بالقياس و هذه الشرائط في المجتهد المطلق الذي يفتىٰ في جميع الأحكام ۔'' ۲

اور ضروری ہے کہ مجتہد فقیہ النفس ہو یعنی طبعاً تیز وقوی فہم کا مالک ہو اور علم عربیت پر قدرت رکھتا ہو اور کتاب اللہ کے اس حصے پر دسترس رکھتا ہو جو احکامات سے متعلق ہے اور متن وسند دونوں لحاظ سے علم حدیث کا عالم ہو، اسی طرح قرآن وحدیث کے وہ حصے جو ناسخ ہوں یا جو منسوخ ہوں اُس کا علم رکھتا ہو اسی طرح قیاس کے طُرق سے خوب واقف ہو۔

مجتہد کے نصاب کا اقل درجہ :

یہ شرائط اس اجتہاد کے لئے ہے جو مطلق ہو اور تمام احکامات میں اجتہاد ہو، اگر کسی

---

(۱) ڈاکٹر محمد فوزی فیض اللہ ۔ الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص ۱۹۵۔

(۲) رد المحتار ج: ۸ ص: ۴۲۔

خاص حکم میں اجتہاد ہوتو اُس کے لئے ضروری ہے کہ اُس حکم کے متعلقات کا علم ہو۔علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں :

''أمّا المجتهد في حكمٍ دون حكم فعليه معرفة مايتعلق بذلك الحكم، مثلاً كالاجتهاد فی حكم متعلق بالصّلوٰة لايتوقف علىٰ معرفة جميع ما يتعلق بالنكاح۔'' [۱]

کسی خاص حکم میں اجتہاد کے لئے اُس حکم کی ضروریات کا جاننا ضروری ہے۔یہ لازمی نہیں کہ صلوٰۃ سے متعلق اجتہاد ہوتو نکاح کے احکامات پر عبور لازمی ہو۔اور آگے مجتہد کے نصاب کا اقل درجہ یہ بیان کیا ہے :

قال:'' وأقله أن يحسن بعض الحوادث والمسائل الدقيقة،وأن يعرف طريق تحصيل الأحكام الشرعيّة مِن كُتُب المذهب،وصدور المشائخ و كيفية الإيراد ، والإصدار فی الوقائع والدعاوی والحجج''۔ [۲]

اورکم درجہ یہ ہے کہ حوادث اورمسائلِ دقیقہ سے خوش اسلوبی کے ساتھ نبرد آزما ہو چکا ہو ،اور مذہب کی کتابوں سے احکامِ شرعیہ کے حصول کا طریقہ جانتا ہواوراسی طرح اخذ من صدورالمشائخ سے آگاہ ہواور دعویٰ اور ابتلاء میں دلائل سے خوب واقف ہو۔

شرائط اجتہاد کے ضمن میں مولانا محمد حنیف صاحبؒ لکھتے ہیں : پانچ شرائط بہر آئینہ اس سلسلہ میں بالعموم ذکر کی جاتی ہیں :

(۱) قرآن وسنت کے نصوص کا کامل علم : نصوص سے مراد وہی تصریحات ہیں جو احکام سے متعلق ہیں لیکن یہ تعداد آخری اور قطعی نہیں ، ماوردیؒ لکھتے ہیں کہ اوّل مقاتل بن سلیمانؒ نے آیاتِ احکام پر کتاب میں پانچ سوں آیات لکھی،اس لئے فقہاء واُصولیین کا

(۱) ردالمحتار ج:۸،ص:۴۶۔

(۲) ردالمحتار ج:۸،ص:۴۶۔

ذہن یوں منتقل ہوا۔

سنت میں سے مجتہد کے لئے کتنی احادیث کا جاننا ضروری ہے اس میں بھی نزاع ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ پانچ سو حدیثیں جان لینا کافی ہے کیونکہ احکام و مسائل کی احادیث اس سے زیادہ نہیں۔ ابن العربی کا کہنا ہے کہ احکام سے متعلق احادیث تین ہزار سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ ارشاد الفحول میں ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص کو پانچ لاکھ احادیث یاد ہوتو مجتہد بن سکتا ہے لیکن یہ بناء بریں احتیاط فرمایا کیونکہ خود امام احمدؒ سے ایک جگہ تصریح ہے کہ کل بارہ سو حدیثیں ایسی ہیں جن کے گرد تمام فروع و مسائل گھومتے ہیں۔

(۲) مسائل اجماعیہ سے واقفیت: کہ اُمت کن مسائل پر متفق ہے اور کہاں سے اجتہاد و فکر کا آغاز ہونا چاہئے۔

(۳) علوم لسانی پر عبور: یہ شرط سب سے اہم ہے کیونکہ اگر ایک شخص عربی صرف ونحو نہیں جانتا معانی و بیان کے رموز و اسرار سے واقف نہیں اور اس کا ذوق ادبی لطائف سے بہرہ مند ہونے کی صلاحتیں نہیں رکھتا تو وہ قطعی اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

(۴) اُصولِ فقہ پر نظر: اجتہاد چونکہ محض اٹکل و قیاس آرائی کا نام نہیں بلکہ اس کے کچھ لگے بندھے اُصول ہیں۔ اس لئے اُصولِ فقہ میں ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔

(۵) ناسخ ومنسوخ کا علم: ناسخ ومنسوخ کا علم ایک مجتہد کے لئے بہت ضروری ہے کہ کتاب وسنت سے یہ امتیاز کر سکتا ہے۔

دو اور شرائط یہ ہیں کہ مجتہد جدید طرز زندگی سے آگاہ ہو۔ دوسرا یہ کہ غیر معمولی ذہنی سلجھاؤ رکھتا ہو۔

غیر مسلم مجتہد ہو سکتا ہے؟: اس بارے میں شاطبی نے تفرد اختیار کیا ہے۔ جمہور کا یہی فیصلہ ہے کہ غیر مسلم مجتہد نہیں ہو سکتا ہے اور اجتہاد کے لئے اسلام شرط اوّل ہے۔ (۱)

(۱) تلخیص از مسئلہ اجتہاد ص ۱۱۰ تا ۱۱۴۔

علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں :

''وفي حد الاجتهاد كلامٌ عُرفَ في أُصول الفقه وحاصله أن يكون صاحب حديث له معرفة بالفقه ليعرف معاني الآثار أَو صاحب فقه له معرفة بالحديث لئلّا يشتغل بالقياس في المنصوص عليه''۔ [1]

اوراجتہاد کی تعریف میں کلام ہے جو اُصولِ فقہ میں معلوم ہو چکا ہےاور حاصل اس کا یہ ہے کہ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ فقہ پر عبور رکھتا ہو، تا کہ احادیث کے معانی کو سمجھے یا صاحبِ فقہ ہو کہ حدیث پر معرفت رکھتا ہو تا کہ منصوص علیہ مسائل میں قیاس میں مبتلا نہ ہو جائے۔

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں : ''والحاصل أن يعلم الكتاب والسنة بأقسامهما من عبارتهما وإشارتهما و دلالتهما واقتضائهما وباقي الأقسام ناسخهما و منسوخهما و مناطات أحكامهما ، و شروط القياس والمسائل المجمع عليهما لِئلا يقع فى القياس فى مقابلة الإجماع و أقوال الصحابة لأنه قد يقدمه على القياس فلايقيس فى معارضة قولِ الصحابى. و يعلم عرف الناس و هذا قوله (و قيل: أن يكون صاحب قريحة) فهذا القول لا بدمنه فى المجتهد فمن أتقن هذه الجملة فهو أهل للاجتهاد فيجب عليه أن يعمل باجتهاده وهو أن يبذل جهده فى طلب الظن بحكم شرعى عن هذه الأدلة و لايقلد أحداً ۔ [2]

خلاصۂ کلام یہ کہ کتاب وسنت کو اُن کے اقسام کے ساتھ جانتا ہو، دونوں کی عبارت ، اشارت ، دلالت اور اقتضاء اور دونوں کی باقی اقسام سے خوب واقف ہو، دونوں کے ناسخ ومنسوخ سے واقف ہو، دونوں کے احکام کے دلائل اور قیاس کے شروط سے بخوبی

(۱) ہدایہ علی صدر فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶۱۔

(۲) فتح القدیر شرح ہدایہ ابن الھمام ج ۶ ص ۳۶۲۔

واقف ہو اور اجماعی مسائل سے واقف ہو، کہیں اجماعی مسائل کے مقابلے میں قیاس سے کام نہ لے اور اقوالِ صحابہ سے خبردار ہو تاکہ اُن کو قیاس پر مقدم رکھے قولِ صحابیؓ کے مقابلے میں قیاس نہ کرے اور اسی طرح لوگوں کے عرف سے واقف ہو، پس جس کے اندر یہ شرائط موجود ہوں تو وہ اجتہاد کا اہل ہے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرسکتا ہے۔

حافظ ابن القیمؒ سے سندِ متصل کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ نے نقل کیا ہے کہ کسی نے پوچھا کہ ایک شخص کو ایک لاکھ احادیث یاد ہو تو وہ کیا مجتہد ہوسکتا ہے؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ نہیں پھر اُس شخص نے کہا کہ دو لاکھ یاد ہو تو پھر آپؒ نے فرمایا کہ نہیں پھر اُس شخص نے کہا کہ تین لاکھ یاد ہو تو آپؒ نے فرمایا کہ نہیں پھر اُس شخص نے کہا کہ چار لاکھ یاد ہو تو امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ اُمید کی جاتی ہے کہ مجتہد بن جائے۔ [1]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اجتہاد کا دعویٰ کیا، خود لکھتے ہیں کہ میرے اعلان کی وجہ سے میرے خلاف مصر میں ایک قیامت اُٹھی اور مجھ سے مناظرہ کے لئے چیلنج دیا تو میں نے اس کا انکار کیا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جلال الدین سیوطیؒ نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو تمام علماء فوراً اُن پر حملہ آور ہوئے اور اُن کے سامنے ایسے مسائل کی ایک فہرست پیش کی جو ذو وجہین تھی، اگر انہیں اجتہاد کا مرتبہ حاصل ہے تو ان میں جو راجح ہیں ان کے دلائل مجتہدین کے قواعد کے تحت پیش کریں تو اس سوالیہ ورق کو بغیر کسی جواب کے لکھنے کے واپس کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ مشغولیات کی بناء پر مجھے فرصت نہیں۔

اس کے بعد علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ اس منصب کی مشکلات پر غور کرو کہ یہ اجتہاد کے ادنیٰ درجہ کا حال تھا اور پھر ایک آدمی مطلق اجتہاد کا مدعی ہو تو اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

(۱) اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۶۔

الغرض ...... فقہائے کرام نے درجہ ذیل چیزوں سے واقفیت کو ''درجہ اجتہاد'' کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

۱) قرآن حکیم : لغوی وشرعی دونوں اعتبار سے معانی ومفاہیم پر عبور۔

۲) سنت : رسول اللہ (ﷺ) کے فرمودات کو موقع ومحل پر منطبق کرنے میں مہارت۔

۳) اجماع : اس کے طریقوں اور فیصلوں اور موجودہ ماحول کے مطابق اُن سے کام لینے کے طریقے سے واقفیت۔

۴) قیاس کی وجوہ اور طریقے کا علم جن کی تفصیل قیاس' استحسان اور استدلال وغیرہ ابواب میں ذکر کی جاتی ہے

۵) صحابہ وتابعین کے اقوال وفتاویٰ پر نظر اور اُن کے موقع ومحل سے واقفیت۔

۶) فقہی اُصول وکلیات کا علم۔

۷) فقہی جزئیات اور اُن کے موقع ومحل سے واقفیت۔

۸) مذکورہ بالا تمام علوم چونکہ عربی زبان سے تعلق رکھتے ہیں اس بناء پر قدیم عربی زبان میں مہارت ضروری ہے اس کے بغیر مقصود حاصل نہ ہو سکے گا۔

۹) قومی وملکی مصالح اور حالات وزمانہ کے تقاضوں سے واقفیت۔

۱۰) اختلافِ صحابہؓ اور اختلافِ ائمہ سے استفادہ اور اس کو منطبق کرنے کی صلاحیت۔

۱۱) وہ علم وادراک بھی ضروری ہے جس کا تعلق قلب سے ہے یہ دراصل ایک باطنی قوت ہے۔ اُصولین اس کو قلب کی آنکھ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مزید تفصیل کیلئے عقد الجید ، الإنصاف المغنی لإبن قدامہ تسھیل الأصول للجزائری تاریخ المذاھب الإسلامیہ لاستاذ أبوزھرالمصری اور إعلام الموقعین لابن قیمؒ کی طرف رجوع کیا جائے۔

الغرض : فقہائے کرام اور ائمہ اُمت کی ذکر کردہ ان شرائط سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجتہاد کے لئے کتنے علم و معرفت اور باریک بینی کی ضرورت ہے اور یہ کس قدر اہم باب ہے۔ مسائلِ شرعیہ کے استنباط میں دلیری اور بہادری دکھانے کی جرأت کس کا کام ہے اور یہ نہایت نازک موڑ ہے۔ ان شرائط کا فقدان اگر محال نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔

شرائط اجتہاد کی مزید تفصیل جاننے کے لئے عقد الجید ص ۷،

الانصاف ص ۱۷، المغنی لابن قدامہ ج ۱۱ ص ۳۸۳،

تسہیل الاصول للجزائری ص ۳۱۹، تاریخ المذاہب الاسلامیہ ص ۳۲۱،

لاستاد ابوزہرہ المصری اور اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۶،

لابن القیم کی طرف رجوع کیا جائے

۴-دورِ حاضر میں اجتہاد کا حکم

اجتہاد کا دروازہ دورِ حاضر میں کھلا ہے یا بند اس سلسلہ میں جورد و قدح چلتی رہی، اس کا زمانہ ختم ہونا چاہیے۔ایک حد تک صاحبِ صلاحیت لوگ ہر دور میں موجود ہوتے ہیں۔ اُنہیں کام کی ضرورت کا شدید احساس نہیں ہوتا یا اُن کو مواقع میسر نہیں آتے ہیں، اگر اس دور میں کوئی اجتہاد کا پرزور حامی ہے تو وہ اس کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہے۔

اگر کوئی صاحبِ صلاحیت اس موضوع کے اثبات کا قائل ہو تو اُس کے لئے جارحین سلاسل بن جاتے ہیں اور بعض اگر کچھ واقفیت رکھتے ہیں، اس کی نظر میں عملاً اجتہاد کا دروازہ ایسا بند ہے کہ اُس کی کنجی تک گم ہو چکی ہے۔

فقہائے کرام نے اجتہاد کے لئے کافی سامان فراہم کر دیا ہے۔اُصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں، کام کا انداز اور طریقہ بتایا ہے۔کام کر کے دکھایا ہے یہ سب کچھ ایک مرتب اور مدوّن شکل میں موجود و محفوظ ہے۔اس سے زیادہ ہماری محرومی اور اندھا پن کیا ہو گا کہ اس ذخیرہ سے فائدہ اُٹھانے کو ہم جُرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا ہو کر اس کی اہمیت محسوس نہ کریں۔ [۱]

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو معقول المعنیٰ ہے اور ایسی مضبوط اور دائمی بنیادوں پر استوار ہے کہ جن پر ہر دور اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئی نئی عمارتیں قائم کی جا سکتی ہے۔چنانچہ یہ مسلّم حقیقت ہے کہ محدثین اور فقہائے کرام نے برابر اپنے اپنے وقتوں میں ان مسائل اور عملی مشکلات سے تعرض کیا ہے جو اُن کے سامنے آئیں اور اُن کا حل آسان، عام فہم، اور اپنے وقت کے مطابق و مناسب نکال کر دینِ اسلام کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔

فقہ اسلامی تا قیامت قانونِ حیات ہے :

دورِ حاضر میں چونکہ زمانے نے ایک نئی کروٹ لی ہے اور ہمارا معاشرہ ناگزیز اقتصادی و سیاسی عوامل کی بنا پر ایک عجیب و غریب روپ میں جلوہ گر ہے۔بعض مسائل از سرِ نو، فکر و عقل کی سطح پر اُبھر آئے ہیں اور اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کی جانچ پڑتال کر کے شریعتِ اسلام میں

(۱) فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص: ۲۲، ۲۳۔

ان کی ٹھیک جگہ متعین کی جائے ۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ'' فقہ اسلامی'' کوئی مستقل بالذات اور زندگی سے الگ شعبہ قانون نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق حیاتِ انسانی کے تمام عملی پہلوؤں سے ہے، وہ صرف معاملات وتعزیرات پر مشتمل خشک ضابطہ ہی سے تعبیر نہیں بلکہ اس میں عبادات و بندگی کی باریکیوں اور آداب تک کا ذکر ہوا اور ان تمام مسائل کی تشریح مذکور ہے جو کسی نہ کسی طرح زندگی سے متعلق ہو، اگر موجودہ تقاضوں کے قریب ہو کر دیکھا جائے کہ ان میں کتنا وزن ہے کیا چیزیں ان میں اپنانے اور سمو لینے کی ہیں اور کتنی ایسی ہیں جن کو چھونا بھی جائز نہیں ۔ اب کام اس سے نہ چلے گا کہ اہلِ علم موجودہ اقتضاء سے تغافل برتیں ۔ اس وقت اگر اہلِ صلاحیت نے اس رواں دواں طوفان کا اندازہ کرلیا، جو ہمارے گردو پیش بڑی تیزی اور زور سے اُٹھ رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ ہماری تہذیبی روح زمانے اور حالات کے بہاؤ سے بچ جائیگی اور زندگی کا وہ اسلامی نقشہ قائم رہ جائے ، جن کو صدیوں سے ہم سینوں سے لگائے ہوئے ہیں اور خواہش ہے کہ اسی طرح برابر حرز جاں بنائے رہیں ۔

چند غلط فہمیوں کا ازالہ :

مسئلہ ہذا سے تعرض کرنے سے پہلے چند غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے ۔

(۱) تعبدات کے علاوہ معاملات میں مسائل منصوصہ محتملہ یا مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد ہو

(۲) ہر ایسا شخص منصبِ اجتہاد پر فائز نہیں جو محض اپنی مرضی یا ہوائے نفس کے تقاضے سے نص میں کوئی تصرف روا رکھے اس سے بڑھ کر اور کوئی گمراہی نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ فرض کیجئے ایک مسئلہ کسی خاص مصلحت یا علت وسبب کے پیش نظر بتایا گیا تھا لیکن حالات کی تبدیلی سے وہ علت یا سبب منتفی ہوگیا ایسی صورت میں غور طلب امر یہ ہے کہ کیا علت وسبب کے انتفاء سے اس مسئلہ کا انتفاء لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور کیا مجتہد اس کا مجاز ہے یا نہیں کہ اس کا کوئی دوسرا محمل تلاش کرے یعنی وہ مسائل جو معلل بہ علل عارضہ تھے، ارتفاعِ علل پر ارتفاعِ حکم کو مستلزم ہوں گے یا نہیں؟

(۳) اسی طرح فرض کیجئے مسائل کی ایک ترتیب ہے جو مخصوص حالات کے پیش نظر

اختیار کی گئی تھی، لیکن اس کے بعد تاریخ نے ایسی کروٹ لی کہ اس ترتیب کا مبنیٰ بدل گیا۔ اگر مسائل کی اس ترتیب کو بدستور رہنے دیا جاتا ہے تو اس غرض و مقصد ہی کو نقصان پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس مرحلہ پر خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس ترتیب کو ایسی صورت میں جوں کا توں رہنے دیا جائے اور یہی مقصود دین ہے یا اس مقصد کی تکمیل کا خیال رکھا جائے۔

(۴) اس موضوع پر بحث سے ''تکمیل دین اور ابدیت اسلام'' کے موضوع حقہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس کا سرے سے یہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ دنیاوی حالات نہیں بدلیں گے۔ معاشرہ نئی نئی تبدیلیوں کو قبول نہیں کرے گا اور نئے نئے اقتصادی و سیاسی ڈھانچوں کو اختیار کرنے سے نئے نئے مسائل نہیں اُبھریں گے، بلکہ اس کا جو دعویٰ ہے، وہ اتنا ہی ہے کہ عبادات و عقائد کا جو نقشہ شریعت نے کھینچا ہے اس پر قیامت تک کوئی اضافہ ممکن نہیں۔ شریعت نے آخرت کی کامیابیوں کے حصول کا جو طریق مقرر کیا ہے اس سے ہٹ کر نا ممکن ہے کہ کوئی شخص ان سے بہرہ مند ہو سکے اس نے اخلاق و سیرت کی جن بلند سطحوں کی نشاندہی کی ہے کوئی دوسرا ضابطۂ اخلاق ان مکارم کو نہیں پہنچ سکتا اور اس نے تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ، معاشرتی زندگی کا جو چوکھٹا تجویز کیا ہے انسان مجبور ہے کہ بالآخر اسی کو اپنائے۔

یہ موضوع تو اتنا اہم ہے کہ اگر اجتہاد کے دائرۂ اثر کو صرف الفاظ و حروف کی دلالتوں تک ہی محدود رکھا جائے اور استحسان، مصالحہ مرسلہ، تعامل، عرف و رواج سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کی فقہ بدلے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتی اور بالکل ٹھس اور بے کار ہو کر رہ جاتی ہے اور نزاکت کا یہ عالم ہے کہ اگر ہر ہر تبدیلی کیلئے تصرف و تغیر کے دروازے کُھلے رکھے جائیں تو پھر ملحدانہ اجتہاد کے شہسواروں کو کون روک سکتا ہے اور تشریع جدید اور وضع دین کی قباحتوں کی روک تھام کیونکر ہو سکے گی؟ دونوں خطرے تحت ہیں اور دونوں ایسے ہیں کہ نظر انداز ہونے کے لائق نہیں، اگر مجتہد کا مقام اور منصب یہ نہیں کہ وہ وضعی مصطلحات سے قطع نظر کر کے اور لفظی بھول بھلیاں چھوڑ کر نفسِ دین

کے تقاضوں کا کھوج بھی لگائے اور ان مناسبتوں اور سچائیوں کے پانے کی بھی کوشش کرے جن پر اسلام کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے تو اس سے اجتہاد اور فقہ کی فطری چال میں رُکاوٹ پیدا ہوگی۔

اگر ایک قوم اپنی زندگی کے منہاج کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں کرتی اور نئے سانچوں میں اپنے قانون کو نہیں ڈھالتی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زمانہ کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

اسی طرح اگر دین میں اتنی لچک پیدا ہو جائے کہ زمانے کی ہر کروٹ کے ساتھ اس کی سمتیں بدلنے لگی تو مذہب محض بازیچۂ اطفال ہو کے رہ جائیگا' زندگی اور تہذیب کا کوئی استوار و مستحکم نقشہ معرض وجود میں نہیں آسکے گا۔

اگر اجتہاد کیا جائے اور ایک مسئلہ نئی صورت میں پیش کیا جائے تو اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھا جائے کہ قرآن وسنت سے جس انداز و مزاج کا پتہ چلتا ہے یہ نئی صورت اُس کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھتی ہو۔ اسی طرح جب حالات ایسے نازک ہو جائیں کہ کسی مسئلے کا اپنی اصلی حالت پر قائم رہنا مشکل نظر آئے تو مجتہد کو اس بات کے کہنے کی اجازت ہونی چاہئے کہ میں نے ایک نص سے رجوع کر کے اس سے زیادہ اہم اصولی نص کی طرف قیاس واجتہاد کی زمام کو موڑ لیا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ قرآن مجید میں، اسی طرح احادیث مبارکہ میں ''نسخ'' کا مسئلہ واقعی ہے، آیات لاحقہ نے آیات سابقہ کو منسوخ قرار دے کر گویا اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ شرائع میں تغیر احوال سے مسائل کا متغیر ہو جانا بعید نہیں۔

سدذرائع اور تغیر حکم:

سدذرائع اور تغیر حکم کے موضوع پر سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ باب سدذرائع کی قبیل کے احکام میں آنحضرت (ﷺ) نے تصرف فرمایا ہے کہ پہلے کسی مصلحت وغرض سے

پیش نظر ایک چیز سے روکا، لیکن جب یہ دیکھا کہ ممانعت کی علت مندفع ہوگئی تو پھر اس کی اجازت دے دی۔ جیسے عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا مسئلہ ابتداً کھلے لفظوں میں نہیں فرمایا، جب اندیشہ ''جاہلیت کا رسم ورواج'' ختم ہوا تو پھر اجازت دیدی، اسی طرح حرمتِ شراب کے ساتھ حکم جاری فرمایا کہ وہ برتن (حنتم، دُبا، مزفت، نقیر) جن میں شراب تیار کی جاتی تھی، میں نبیذ نوشی سے بھی منع فرمایا۔ جب حالات بدلے اور مسلمان راسخ الایمان بن چکے، تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دیدی۔ زیادہ واضح مثالیں ان فیصلوں میں ملتی ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دینی بصیرت کی بناء پر صادر ہوئے۔

(۱) سورۂ انفال میں غنائم کے حصول کی تقسیم کا صاف بیان ہے۔ اشارۃ النص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنگ میں جو بھی مال ہاتھ آئے، اسے بٹنا چاہئے۔ احادیث میں بھی متعدد مواقع پر غازیوں کے حصص وسہام کی تفصیلات مذکور ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے سوچا کہ اگر پوری اراضی سواد تقسیم کی گئی تو آنے والی نسلوں کے لئے کیا باقی رہے گا اور فوج کے مصارف کیسے چلیں گے۔ اس بناء پر آپؓ نے بانٹنے میں توقف فرمایا اس پر بحث ہوئی اور آخر الامر حضرت عمرؓ کا فیصلہ سب کو ماننا پڑا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی کیا اور سواد کی اراضی کی آمدنی تمام مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر وقف ٹھہرا دی۔ آپؓ کے اس فیصلے کا دارومدار دو باتوں پر تھا، ایک مصلحت و ضرورت پر اور دوسرے ان عام روایات پر جن میں مسلمانوں کے حقوق کا ذکر ہوا ہے۔

اسی طرح گویا آپؓ نے تقسیم غنائم کی آیات کے خصوص وتعین کو عمومی مصالح پر قربان کیا اور عموم کو زیادہ اہمیت دی۔

(۲) اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو آنحضرت (ﷺ) کے زمانہ میں اسے ایک ہی طلاق متصور کیا جاتا تھا۔ ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں بھی یہی معمول رہا، خود حضرت عمرؓ کے ابتدائی دورِ خلافت تک اُسے طلاقِ رجعی ہی سمجھا گیا

لیکن جب حضرت عمرؓ کی حکیمانہ نظر نے دیکھا کہ لوگ طلاق کے مسئلہ میں پوری اہمیت محسوس نہیں کرتے اور اسلام کی اس رخصت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں تو آپؓ نے اس معمول کی مخالفت کی اور فیصلہ صادر فرمایا کہ آئندہ تین طلاقیں قطعی بینونت اور علیحدگی کا موجب ہوں گی اور رجوع کا حق نہیں دیا جائے گا۔

(۳) چوری سے متعلق نص صریح ہے :

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا ﴾ ۔ ا؎

چوری کرنے والا مرد اور چوری کی مرتکب عورت ان میں کوئی بھی ہو اگر چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ دو۔

لیکن حضرت عمرؓ نے اس مطلق کو اس قید کے ساتھ مقید فرما دیا کہ قطع ید کی سزا صرف اُس وقت دی جائے گی جبکہ معاشرہ یا حکومت نے فی الواقع ایسے حالات پیدا کر دیئے ہوں کہ کوئی شخص بھی چوری کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ یہی وجہ ہے جب عام قحط پڑا اور حالات کی ناہمواریوں نے ایسی کروٹ لی کہ بعض لوگوں کے لئے چوری جیسے مذموم گناہ کا ارتکاب بھی موجبِ عار نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے یہ سزا موقوف کر دی۔

اور آپؓ نے ارشادِ نبوی (ﷺ) ((ادروا الحدود بالشبهات)) (الحدیث) کی وجہ سے اجتہاد کر کے خشک سالی کے دوران چور پر حد جاری نہ کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

(۴) صدقات کے مختلف حصص میں سے ایک حصہ مؤلفۃ القلوب کے لئے بھی تھا یعنی ایسے لوگوں کو کچھ رقم دی جاتی تھی جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوں :

﴿ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ ﴾ ۔ ۲؎

اور صدقات اُن لوگوں کیلئے بھی ہیں جن کی تالیفِ قلوب مطلوب ہو، لیکن جب اسلام مضبوط ہوا اور اسلامی حکومت کو نفاق و کفر کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا تو حضرتِ عمرؓ نے

(۱) سورۂ مائدہ: ۳۸۔ (۲) التوبۃ: ۶۰۔

صاف صاف کہد یا کہ اب یہ حصہ ان لوگوں کونہیں ملے گا، اُن کے اپنے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں :

''هٰذا شيء كان رسولُ اللّٰه يعطيكموه ليتألفكم على الإسلام و الآن أعز اللّٰهُ الإسلام و أغنٰى عنكم فإن ثبتمّ على الإسلام فبها وإلَّا بيننا و بينكم السيف''۔ (1)

یہ وہ چیز تھی جو آنحضرت (ﷺ) تمہیں اس لئے دیا کرتے تھے کہ تمہارے دلوں میں اسلام کے لئے الفت پیدا ہو اور وحشت ونفرت ختم ہو جائے ،لیکن اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کوعزت بخشی ہے اور تمہارے تالیفِ قلوب سے اس کو بے نیاز کر دیا ہے تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اسلام پر جمے رہو ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ ہے۔

اور یہ حکم اُصولِ فقہ کے عین مطابق ہے۔اس لئے کہ جب کوئی حکم کسی علت یا شرط کے ساتھ مشروط ومعلول ہو تو اس شرط اور علت کے اختتام پرحکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالکریم خطیبؒ لکھتے ہیں :

کہ ابطال وتحریمِ اجتہاد کا قول طبیعت انسانی سے متصادم ہے اور غیر قادر پر حملِ انسان ہے، کیونکہ اس کے ذریعے انسان کوغور وفکر عقل اور تقلیب الرای سے منع کرنا ہے اور اس سے انسان کومنع کرنا مناسب نہیں ہے جب کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو انسان اُس وقت تک اضطراب میں ہوتا ہے، جب تک حل تلاش نہ کر لے اور ''سد باب الاجتہاد'' کا قول و فتویٰ نص قرآن سے متصادم ہے : درجہ ذیل آیتوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(1) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۱۔

وھوقولہ تعالٰی لِرسولِہِ الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم) :

﴿ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾ ۔ [1]

و قولہ تعالٰی عن المؤمنین : ﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ ۔ [2]

إذلا محل لِلشوریٰ إذا لم یکن للعقل مجالٌ للنظر و الحکم فیما هو فی معرضٍ للنظر و موضع للتشاور ۔ [3]

آ گے باب " لمن یفتح باب الاجتهاد " میں یوں رقمطراز ہیں :

" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ بات کرتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ کھل چکا ہے تو اس میں اہل غیر دخل اندازی کریں گے تو اس کا جواب ذکر کرتے ہیں کہ اہلِ اجتہاد وہ ہیں جو علماء ہوں، اہلِ علم اور تقویٰ دار ہوں، دین پر شدید حریص ہو اور اجتہاد مع العلم کرتے ہیں اور اُس کا فتویٰ دیتے ہیں جو حق ہو یا قریب الی الحق ہو، اگر ایک مسئلے کا علم نہ ہو تو " لا ادری " کہا کرتے ہیں ۔ " [4]

دورِ حاضر میں جدید مسائل نے جنم لیا ہے ۔ دُنیا جتنی ترقی کرتی ہے، وہاں حالات تیزی سے بدلتے ہیں تو لازمی طور ان حالات کو فقہ اسلامی کے سانچے میں ڈالنا پڑے گا ۔ نت نئے مسائل کا حل نکالنا، ائمہ و علمائے اُمت کی ذمہ داری ہے ۔ اس لئے ائمہ اربعہ نے جو اُصول و قواعد وضع کئے ہیں ۔ اُن پر جدید مسائل کے پرکھنے کا اور شرعی حکم نکالنے کی گنجائش موجود ہے ۔

شیخ عبدالکریم خطیبؒ فرماتے ہیں :

کہ مجتہد حوادث میں اُن اصول سے کام لیں جن کو اصحاب مذاہب اربعہ (مالک ،

---

(۱) سورۃ آل عمران ۱۵۹ ۔ (۲) سورۃ الشوریٰ ۳۸ ۔

(۳) سد باب الاجتہاد، ص: ۱۴۲، ۱۴۳ ۔

(۴) سد باب الاجتہاد، ص: ۱۴۰ ۔

شافعی، ابوحنیفہ، احمد رحمہم اللہ) نے وضع کئے ہیں، اگراُن کے پاس جواب مل جائے تو صحیح یہ ہے کہ اُن کے اقوال میں سے کسی کا قول اختیار کریں، ورنہ اُن کے اصولوں سے کام لینا چاہئے۔ [1]

ہر دور میں کچھ نہ کچھ مسائل ضرور ایسے آتے ہیں جن کی تصریح کتابوں میں نہیں ہوتی ایسی صورت کے متعلق مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ فرماتے ہیں،

مفتی اور قیاس واجتھاد:

لیکن یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر زمانہ کے مفتی کے سامنے کچھ مسائل ایسے ضرور آتے ہیں جو کتابوں میں صراحتاً مذکور نہیں ہوتے، ایسی حالت میں اس مفتی پر مسئلہ کا اخذ اصول وقواعد سے ضروری ہوتا ہے کیونکہ اسکے بغیر کام چل ہی نہیں ہوسکتا، اسلئے مفتی کیلئے ایسے موقع میں اس کی اجازت ہر زمانہ میں ہوگی۔ [2]

(۱) سد باب الاجتہاد ص: ۱۴۰۔ (۲) فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۱ ص ۸۷ مقدمہ ۔

بابِ ثانی :

مذاہب کا تاریخی ارتقاء

مذہب کی تعریف :

مذہب کی تعریف میں الدکتور "وھبة الزخیلی" یوں رقمطراز ہیں:۔

"والمذھب لغة: مکان الذھاب وھو الطریق"۔ [1]

لغت میں مذھب جائے ذھاب (چلنے کی جگہ) کو کہتے ہیں اور وہ راستہ ہے۔

منجد میں ہے کہ "ذھب (ف) ذھاباً وذھوباً ومذھباً ، چلنا، گزرنا الذھوب جانے والا۔"

المذھبُ :اعتقاد، طریقہ، اصل اسلام کے مشہور مذاھب چار ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ [2]

قاموس میں ہے : "المذھب المتوضأ والمعتقد الذی یذھب إلیه والطریق والأصل"۔ [3]

یعنی مذہب لغت کے اعتبار سے اُس عقیدے اور راستے کو کہا جاتا ہے جسکی طرف چلنا مقصود ہو اور طریقے اور اصل کو کہا جاتا ہے۔

---

(۱) دکتور وھبة الزخیلی . الفقه الإسلامی وأدلته ج ۱ ص ۲۸ مکتبة الحبیبیه کوئٹه

(۲) قاموس اللغات بحوالہ کشف الغطا ص ۱۱۔

(۳) قاموس اللغات بحوالہ کشف الغطا ص ۱۱۔

اصطلاحی تعریف :

''واصطلاحاً : الأحكام التي اشتملت عليها المسائل شبهت بمكان الذهاب بجامع أن الطريق يوصل إلىٰ المعاش وتلك الأحكام توصل إلى المعاد''۔ [۱]

روحانی اور دینی اقدار کو اپنانے کے لئے منتخب راستے کا نام مذہب ہے اور اھلِ سنت والجماعت میں سے حالاً یہی ''راہِ راست'' چار مذہبوں پر عمل کرنے میں موقوف ہے، کیونکہ آگے ''باب الاجتہاد'' میں یہ بات تفصیلاً ذکر ہوئی کہ قرآن وحدیث کے تمام نصوص نہ صریح ہیں اور نہ تمام جزئیات پر مشتمل ہیں، بلکہ اکثر حصہ کلیات کی شکل میں موجود ہے اور مجتہدین نے اجتہاد کر کے اُن کے صحیح محمل اور معانی کو واضح کیا ہے۔ نیز دقیق استنباطات کر کے محفوظ کر دیا ہے۔

اُن میں سے چار مجتہدین حضرات کو شہرت و دوام نصیب ہوئی ہے اور چاروں کے پیروکار ابتداء سے آج تک موجود ہیں۔ باب الاجتہاد سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اجتہاد ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے، اس لئے غیر مجتہدین پر اُن حضرات میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں :

'' وقَلّ من كان لايعتمد على المذهب مجتهد بعينهٖ و كان هٰذا هو الواجب في ذلك الزمان ''۔ [۲]

اور ایسے کم آدمی تھے کہ مجتہد معین کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں اور اس وقت میں پابندی مذہب معین کے واجب ہوگئی۔ اُن حضرات کے اجتہاد کا ذخیرہ اور ثمرہ اُن کی فقہی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس فقہی ذخیرہ لاثانی کے باعث اُن حضرات کو مجتہدین اور جو اُن کے پیروکار ہیں، اُن کو مقلدین کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

---

(۱) المنجد (عربی اردو ص۳۵۶ مکتبۃ دار الاشاعت۔ (۳) أیضا ص۳۵۷۔

(۲) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص۵۹۔

مذاہب کی ابتداء اور وجود

مذاہبِ کی ابتداء اور وجود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور خیر القرون سے ہوئی ہے۔ مثلاً مذہب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مذہب عبداللہ بن عمرؓ، مذہب عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم یاد کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی بعض مسائل میں اپنا اپنا مذہب ہے اور ان کی اتباع وتقلید کی گئی ہے اور باقی صحابہؓ اس اتباع پر متفق ہیں۔ پیغمبر (ﷺ) کا ارشادِ گرامی ہے :

((فعليكم بسنّتي وسنة الخلفاءِ الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليهابالنواجذ و إيّاكم و محدثات الأمور، فإنَّ كلّ محدثة بدعة و كلّ بدعة ضلالة))۔ [۱]

میری سنت اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور میری اور اُن کی سنت کو اپنی داڑھوں سے مضبوط پکڑو اور دین میں نئی نئی باتوں سے احتراز کرو، کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

آپ (ﷺ) نے جہاں اپنی پیروی پر حضرات صحابہ کرامؓ اور اُمت کو تاکید فرمائی ہے، وہاں اپنے حضرات خلفائے راشدین کی سنت کو بھی مضبوط پکڑنے کا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا ہے اور اُن کی سنت اور مذہب کو ایک حسی مثال سے واضح کیا ہے کہ جس طرح داڑھوں میں مضبوط پکڑی ہوئی چیز نہیں نکل سکتی، اسی طرح فرمایا کہ میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو اور اس میں بالکل جنبش بھی نہ آنے دو۔

مذاہبِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم أجمعين :

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلیؒ رقمطراز ہیں : ولقد بدأت نواة المذاهب في عصر

(۱) أبوداؤد، جلد ۲، ص: ۸۷۔

الصحابہؓ كما اشرنا سابقاً فكان مثلاً مذهب عائشة ، و مذهب عبد اللّٰه بن عمرؓ ، و مذهب عبد اللّٰه بن مسعودؓ وغيرهم . [1]

اور اس سے واضح قول حضرت علیؓ نے شراب کی حد کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

جلد النبيُّ (ﷺ) أربعين و أبوبكرؓ أربعين و عمرؓ ثمانين و كلٌّ سنّةٌ . [2]

آنحضرت (ﷺ) نے شرابی کو چالیس کوڑے لگوائے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی چالیس لگوائے اور حضرتِ عمرؓ نے اسی (۸۰) کوڑے لگوائے اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے۔

نیز امام حاکمؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علیؓ کا یہ جملہ بھی نقل فرماتے ہیں :

ثم أتمها عثمان ثمانين و كلُّ سنة ۔ [3]

اسی طرح مذہب اختیار کرنے کے متعلق پیغمبر (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ :

''رضيتُ لكم ما رضى لكم ابن أُم عبد''۔ [4]

میں تمہارے لئے اس چیز پر راضی اور خوش ہوں جس چیز کو تمہارے لئے عبد اللہ ابن مسعود پسند کریں۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی دینی بصیرت اور فقہی ملکہ کی بناء پر صادر شدہ مسائل میں آپ اپنے اجتہاد پر قائم اور ثابت رہے اور اسی کو مذہب کہا جاتا ہے، جبکہ باقی صحابہؓ نے آپ کی اتباع اختیار کی۔ وہ مسائل جو عمر فاروقؓ کی دینی بصیرت کی دلیل ہے، آگے ''باب الاجتہاد'' میں ملاحظہ ہو۔

---

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته ج۱ ص۲۸۔ (۲) الفقه الإسلامي و أدلته ج۱ ص۲۸۔

(۳) مسلم شریف ج:۲ ص:۷۲۔ (۴) معرفت علوم الحدیث ص:۱۸۱۔

مذکورہ تفصیل اور حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ مذاہب کی ابتداء اور وجود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قرن سے ہوا ہے۔ بلکہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بنیاد رکھی ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تم میں زندہ رہوں گا لہذا :

"فاقتدوا بالذين من بعدي أبي بكرؓ و عمرؓ"۔ ؎۱

پس تم میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنا۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ آپ (ﷺ) نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتداء کا حکم دے کر ان کا مذہب اختیار کرنے کا حکم دیدیا اور مذہب کی بنیاد رکھی۔

مذاہبِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین :

دورِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعد تابعین کے دور میں اطراف میں مختلف فقہاءِ کرام کے مذاہب کو رواج حاصل ہوا، جیسے مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ (سعید بن المسیبؒ عروۃ بن الزبیرؒ، قاسم بن محمدؒ، خارجہ بن زیدؒ، ابوبکر بن عبدالرحمانؒ، سلیمان بن یسارؒ، عبید اللہ بن عبداللہؒ) اور نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ اہل کوفہ میں سے علقمہؒ، ابراہیم النخعیؒ، اہل بصرہ میں حسن بصریؒ۔ ان حضرات کے مذاہب کو رواج ہوا، نیز اسی دور میں دوسرے فقہائے کرام بھی موجود تھے۔ عکرمہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، طاؤس بن کیسانؒ، محمد بن سیرینؒ، اسودؒ، مسروقؒ، علقمہؒ، شعبیؒ، شریحؒ وغیرہ بھی ان کے دور کے اہل مذاہب و آراء ہیں۔ ؎۲

اس دور کے بعد ذہبی کا دور ہے، نیز تیرہ فقہاء کرام ایسے ہیں کہ ان کے مذاہب کو تدوین حاصل ہوئی اور ان کی آراء کو تسلیم کیا گیا۔

مذاہب کی ابتداء و رواج کے چار اہم ادوار مطالعے میں ملتے ہیں :

(۱) ترمذی ج ۲ ص ۲۰۷۔

(۲) الفقہ الاسلامی و أدلتہ ج ۱ ص ۲۸۔

(۱) رسول اللہ (ﷺ) کے زمانہ حیات میں ۱۰ھ تک :

اصل میں فقہائے کرام نے اس کو تدوین فقہ کا اول دور شمار کیا ہے اور یہی صحیح ہے اور اس دور کو مذاہب کی ابتداء سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ ایک مسلم اور بدیہی امر ہے اور پہلے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کر کے ایک رائے قائم کی ہے اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے ان کی اتباع کی ہے اور اسی طرح تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ کے اقوال کو لیکر اُن پر عمل کیا ہے، جیسے معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ "اجتھد برأی" تو یہ غیر منصوصہ مسائل میں ان کا مذہب ہے اور یہ دور اس کا اول دور ہے۔ اس دور میں جملہ امور آپ (ﷺ) کی ذات اقدس سے متعلق تھے، قانون سازی، فتاویٰ، فیصلے وغیرہ کے فرائض آپ (ﷺ) خود بنفسِ نفیس انجام دیا کرتے تھے۔ یہ دور اسلامی مقاصد کو آگے بڑھانے کا دور تھا اس بناء پر لوگوں کی ساری توجہ جہاد اور عمل پر مرکوز تھی، مثبت و منفی پہلوؤں کے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی تعلیمات محدود تھیں لیکن یہ تعلیمات عموماً اصولی اور دستوری رنگ میں تھیں، جنہیں بنیاد بنا کر قانون کی عمارت تیار کی جاتی ہے۔

اس دور میں فقہ اسلامی کے دو مآخذ تھے، قرآنِ کریم اور تشریحاتِ نبویؐ۔

دوسرا دور (عہد صحابہ ۴۱ھ تک) :

دوسرے دور میں سیاسی اور اجتماعی بہت سے مسائل اُبھر آئے تھے، جن کا باعث فتوحات اور مختلف تہذیبوں سے واسطہ پڑنا تھا، اس لئے اس دور میں ان مسائل پر قابو پانے کیلئے دو چیزوں کا اضافہ ہوا۔ (۱) اجماع (۲) رائے کا استعمال۔

اس دور میں اجماع کو منظم شکل دی گئی اور صاحب صلاحیت لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جو بات طے ہو جاتی قانون کی حیثیت حاصل کر لیتی۔ رائے کے استعمال کے لئے فقہی قواعد و اصول بعد میں منضبط ہوئے، اس دور میں رائے کا استعمال

مقاصد شریعت اور اصولِ دین کے تحت ہوتا تھا۔

تیسرا دور (صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں دوسری صدی ہجری کی ابتداء تک):

تیسرا دور فقہ کا تاسیسی دور تھا، یہ دور حضرت معاویہؓ کی حکومت ۴۱ھ سے شروع ہو کر دوسری صدی ہجری کی ابتداء تک رہتا ہے۔ فقہ کی ترتیب و تدوین کا پورا مسالہ اسی دور میں تیار ہوا تھا، اس بنا پر اس کو ترتیب و تدوین کا تاسیسی دور کہنا زیادہ مناسب ہے۔

قیاس، استحسان، استصلاح وغیرہ کا استعمال اس دور میں کثرت سے ہونے لگا تھا۔ نئے نئے مسائل کا ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ فقہاء کو ان کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

چوتھا دور (دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے چوتھی صدی ہجری کے تقریباً نصف تک):

اس کی بنیاد تیسرے دور میں پڑ چکی تھی اور فقہ کی باقاعدہ تدوین اس دور میں ہوئی جلیل القدر امام اور پیشوا جن کے مقلدین اطرافِ عالم میں پھیلے ہوئے اپنے اپنے امام کی طرف منسوب فقہ پر عمل پیرا ہیں وہ اسی دور کے ہیں۔ نیز تدوین حدیث کا کام اس دور میں انجام پایا۔ جرح و تعدیل کا فن اس دور میں انجام پایا، اسی طرح اُصولِ فقہ کی تدوین ہوئی اور موادِ فقہ میں اختلاف ہوا۔ (۱)

تاریخ فقہ اسلامی میں فقہ کے تدریجی ارتقاء کے چھ ادوار ذکر کئے جاتے ہیں۔ تفصیل کے لئے علامہ خضری بک کا ''تاریخ فقہ اسلامی'' اور حضرت مولانا مفتی مختار اللہ حقانی مدظلہ کی ''مآخذ فقہ'' کا رجوع کیا جائے۔

---

(۱) ملخص از ''فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر'' ص ۴۲ تا ۵۶۔

۳ : مذاہبِ اربعہ کا رواج

پہلی اور دوسری صدی میں مذاہبِ غیرِ معینہ کا ثبوت بکثرت ملتا ہے۔ اس دور میں مذہب خاص کی پیروی نہ تھی بلکہ عام لوگ کسی بھی عالم کے قول پر عمل کرتے تو یہ جائز اور رائج تھا کیونکہ اس دور میں لوگ عام طور پر دو قسم کے تھے۔ ایک علماء تھے اور دوسری قسم عام لوگ۔ پس یہ عام لوگ کسی متشرع عالم سے مسائل سیکھتے اور اُن پر عمل کرتے تھے اور جب بھی کوئی واقعہ پیش آتا تو کسی بھی غیر معین مفتی و عالم سے مسئلہ دریافت کرتے تھے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں :

''واعلم ! أن الناس كانوا في المائة الأولىٰ والثانيه غير مجتمعين على التقليد لمذهب واحد بعينه إلىٰ قوم ، وقال ابن الهمام في آخر التحرير : كانوا يستفتون مرة واحد و مرة غيره غير ملتزمين مفتيًا واحدًا انتهىٰ''۔ [۱]

ترجمہ : جاننا چاہئے کہ پہلی اور دوسری صدی میں لوگ ایک مذہبِ معین کی تقلید پر متفق نہ تھے۔ چنانچہ ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں کہا ہے کہ کتابیں اور مجموعے سب نئی نکلی ہوئی ہیں اور لوگوں کے اقوال بیان کرنا اور ایک شخص کے مذہب پر فتویٰ دینا اور اس کے قول کو اختیار کرنا اور ہر چیز میں اس کی نقل کرنے اور اس کے مذہب پر اعتماد کرنا اول دوم دونوں قرنوں میں لوگوں کا دستور تھا انتھیٰ۔

بلکہ لوگ اُس وقت دو طرح کے تھے، علماء اور عوام۔ عوام کا یہ حال تھا کہ مسائل اتفاقیہ میں جن میں مسلمانوں کے درمیان یا جمہور مجتہدین کے درمیان اختلاف نہ تھا، بجز شارع کے کسی اور کی تقلید نہیں کرتے تھے اور کیفیت وضو اور غسل کی اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے احکام اپنے باپ دادوں یا اپنے شہروں کے پڑھانے والوں سے سیکھتے تھے اور اسی پر چلتے تھے

(۱) الإنصاف : ۵۷، ۵۸۔

اور جب کوئی اجنبی حادثہ رونما ہوتا اس کے بارے میں جس مفتی کو پاتے بدون تعین مذہب کے پوچھ لیتے۔ ابن ہمام نے آخر تحریر میں کہا ہے کہ کبھی ایک شخص سے پوچھتے اور کبھی دوسرے سے، ایک مفتی کا التزام نہ کرتے فقط۔

ان ادوار میں یعنی پہلی، دوسری اور تیسری صدی میں ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے ائمہ حضرات کی بھی اتباع ہو چکی ہے، لیکن پھر اُن کے مذاہب کو ترک کر دیا گیا ہے۔

چوتھی صدی سے قبل حضرات ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے حضرات ائمہ کرام کی تقلید بھی ہوتی تھی، مگر بعد میں ختم ہوگئی کیونکہ اُن کی کتب اور فقہ کی ترویج نہ ہو سکی۔ مثلاً امام رحیم بن عبدالرحمٰنؒ (متوفی ۳۴۵ھ) (جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الفقیہ الکبیر لکھتے ہیں) حضرت امام اوزاعیؒ (متوفی ۱۵۷ھ) جو شیخ الاسلام اور الحافظ تھے) کے مقلد تھے۔

امام معافی بن زکریاؒ (متوفی ۳۹۰ھ) جو الحافظ العلامہ تھے امام ابن جریر طبریؒ کے مقلد تھے) [۲]

خلاصۂ کلام یہ کہ مذاہب کا وجود صحابہ کرامؓ کے دور سے تھا، جیسا کہ امام شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''لأن الناس لم یزالوا من زمن الصحابۃ إلی أن ظهرت المذاهب الأربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر یعتبر إنکاره و لو کان ذلک باطلاً لأنکروه۔'' [۲]

حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگ علماءِ کرام میں جس کا بھی اتفاق ہوتا برابر تقلید کرتے رہے اور بغیر کسی قابل اعتبار انکار کے یہ کاروائی ہوتی رہی۔ اگر تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات ضرور اس کا انکار کرتے۔

---

(۱) تذکرۃ ص: ۵۸ ج ۲، الکلام المفید۔

(۲) عقد الجید ص: ۳۶

مذھب معین کی ابتداء :

دوصدیوں کے بعد مذہبِ معین پر عمل کا ظہور ہوا ہے۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہؒ تحریر فرماتے ہیں :

''و بعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم و قلّ مَن كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هٰذا هو الواجب في ذلك الزمان''۔ ا؎

اور دوصدیوں کے بعد لوگوں میں معین مجتہدوں کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور ایسے کم آدمی تھے کہ مجتہد معین کے مذہب پر اعتبار نہ رکرتے ہوں اور اس وقت میں مذہب معین کی پابندی واجب ہوگئی۔

اسی طرح مذاہبِ اربعہ کا سلسلہ اسی دور میں شروع ہوگیا۔ فقہ حنفی ، مالکی ، شافعی ، حنبلی اور ایک مذہب جو بعد میں فنا ہوگیا ، فقہ اوزاعی اس دور میں متعارف ہوئے۔ ان ائمہ فقہ کے تلامذہ نے دنیا میں اپنے ائمہ کے مذاہب کو پھیلایا اور انہی مسالک کے دلدادے ان پر عمل کرنے لگے اور یوں چاروں مذاہب سامنے آئے اور فقہ اسلامی نے منظم شکل اختیار کرلی۔ ۲؎

اسی طرح امام برہان الدین ابراہیم بن علی المالکیؒ (المتوفی ۷۹۹ھ) حضرات ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کرامؒ کا اور ان کے مقلدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''وغلب عليها مذهب مالكؒ بعد المأتين إلٰى قوله المعروفون بالظاهرية '' الخ ۔ ۳؎

''کہ شام اور جزیرۂ اندلس میں حضرت امام اوزاعیؒ کا مذاہب غالب تھا اور دو صدیوں کے بعد ان کا مذہب ختم ہوگیا اور وہاں امام مالکؒ کا مذہب غالب ہوگیا اور

(۱) الانصاف ص:۵۹۔ (۲) مفتی مختار احمد ماخذ ص:۲۷۔

(۳) الکلام المفید ص:۱۱۰،۱۱۱۔

امام حسن بصری اور امام سفیان ثوری کے پیروکار زیادہ نہ تھے اور نہ اُن کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا بلکہ جلدی ہی اُن کا مذہب ختم ہو گیا ، پھر آگے فرمایا: باقی رہے امام طبری اور امام ابوثور کے مقلد تو یہ بھی زیادہ نہ تھے اور نہ اُن کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا۔ امام ابوثور کے مقلد تیسری صدی کے بعد اور امام طبری کے مقلد چوتھی صدی کے بعد ختم ہو گئے اور امام داؤد ظاہری کے پیروکار زیادہ تھے اور بغداد اور فارس کے شہروں میں اُن کا مذہب پھیلا اور افریقہ اور اندلس میں کچھ تھوڑے سے لوگ بھی اُن کے مسلک پر تھے اور اب وہاں بھی یہ مذہب کمزور ہو گیا ہے۔ پس یہ وہ حضرات ائمہ کرام ہیں کہ باوجود اُن کی شخصیتوں میں اختلاف کے لوگوں کا ان کی تقلید پر اجماع ہے اور سب علماء کا اتفاق ہے کہ ان کی پیروی اور اُن کے مذہب کی اقتداء کی جائے اور ان کی کتابیں پڑھی پڑھائی جائیں اور اُن کے دلائل پر فقہ کی بنیاد رکھی جائے اور اُن کے قواعد کو مبنی قرار دیا جائے اور صرف انہی کے اُصول پر تفریعات کی جائیں نہ کہ دوسروں کے اُصول پر۔ دوسرے خواہ اُن سے پہلے ہوں یا ان کے معاصر ہوں ، اُن اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر ہم نے کر دیا ہے اور اب تو تمام اطراف عالم میں پانچ ہی مذہب ہیں ، مالکی ، حنبلی ، شافعی ، حنفی اور ظاہری۔'' [۱]

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ باقی حضرات ائمہ کرام کی نہ تو کتب باقی رہیں نہ مقلد رہے۔ اس لئے اُن کی تقلید کو فروغ حاصل نہ ہو سکا ، بخلاف ان پانچ مذاہب کے جن کا تذکرہ ہوا کہ دنیا کے بیشتر علاقوں میں یہی پائے جاتے ہیں اور لوگ انہی کے پیروکار ہیں اور جن جن ملکوں اور علاقوں میں وہ پائے جاتے ہیں ، ان کا بھی انہوں نے قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ گو ان کی تحقیق میں اہل الظاہر موجود تھے لیکن علامہ ابن خلدون کی تحقیق کے مطابق وہ بھی مٹ گئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

''ثم درس مذهب أهل الظاهر اليوم بدروس أئمته'' ۔ [۲]

(۱) الکلام المفید ص:۱۱۱۔ (۲) مقدمہ ابن خلدون بحوالہ الکلام المفید ص:۱۱۲

اب اہل ظاہر کا مذہب باقی نہ رہا۔ اس لئے کہ اس مذہب کے ائمہ مٹ گئے۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت دنیا میں تقریباً ایک ارب سے زیادہ مسلمان شمار کیے جاتے ہیں اوران میں اکثریت ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے پیروکار ہیں اوران میں بھی علی الخصوص احناف کی اکثریت ہے اور پہلے بھی تھی چنانچہ یہ بات پہلے بیان ہوچکی ہے کہ چوتھی صدی کے بعد حضرات ائمہ اربعہؒ کے مذاہب اوران کی کتابوں کی ہی تعلیم وتدریس اورنشرواشاعت ہوتی رہی اورلوگوں کی نظریں صرف ان ہی کی طرف اُٹھنے لگیں اور پیش آمدہ مسائل میں ضرورتیں بھی انہی سے اوران میں سے بھی علی الخصوص فقہ حنفی سے پوری ہونے لگی بقیہ مذاہب یا تو سرے سے مٹ گئے اور یا کمیاب اورمرجوح ہوکر رہ گئے :

علامہ ابن خلدونؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النھر بلاد العجم کلھا (عجم کے سب شہروں) میں پھیلے ہوئے ہیں۔[1]

اور مؤرخِ دوراں امیر البیان علامہ شکیب ارسلانؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ) فرماتے ہیں:

مسلمانوں کی اکثریت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پیروکاراورمقلد ہیں یعنی سارے ترک اور بلقان کے مسلمان روس اورافغانستان کے مسلمان چین کے مسلمان ہندوستان اور عرب کے اکثر مسلمان شام اورعراق کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک رکھتے ہیں، اور سوریہ (شام) کے بعض اورحجاز، یمن، حبشہ، جاوا، انڈونیشیا، اورکردستان کے مسلمان حضرت امام شافعیؒ کے مقلد ہیں اورمغرب کے مسلمان مغربی اوروسط افریقہ کے مسلمان اورمصر کے کچھ لوگ حضرت امام مالکؒ کے مقلد ہیں اورعرب کے بعض باشندے جیسے نابلس اوررومہ کے رہنے والے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں۔[2]

(۱) مقدمہ ابن خلدون ص: ۴۴۸ بحوالہ الکلام المفید ص: ۱۱۴۔

(۲) حاشیہ حسن المساعی ص: ۶۹ بحوالہ الکلام المفید ص: ۱۱۴، ایضاً الفقہ الاسلامی ج: ۱ ص: ۲۹۔

الحاصل اطراف عالم میں زمانہ ھذا میں ائمہ اربعہؒ کے مسالک رائج اور عام ہیں اوران سے نکلنے میں مفسدہ ہے جیسا کہ بحوالہ حضرت شاہ ولی اللہؒ گزر گیا۔

۴ : ''دوسرے مذاہب کے زوال کے اسباب ''

فقہ کے بعض مذاہب ایسے بھی ہیں جن کے ماننے والے موجوداور ایک زمانہ تک ان کی پابندی کی جاتی رہی ،لیکن بعد میں دوسرے مذاہب ان پر غالب آ گئے اور یہ مذاہب فنا ہو گئے اور یہ کتابوں کی صفحات پر رہ گئے علامہ دکتور وھبہ زحیلیؒ فرماتے ہیں :

''إلَّا أن أكثر هذه المذاهب لم يبق إلا في بطون الكُتُب ،لانقراض اتباعها وظل بعضها قائماً مشهوراً إلىٰ يومنا هذا''.[1]

(۱) ایک سبب زوال کا یہ بیان کیا ہے کہ ان متروک مذاہب کے پیروکار اور اتباع باقی نہیں رہے اس لئے یہ مذاہب زائل ہو گئے اور یہ بات حقیقت ہے کہ مذہب کے جب متبعین نہ ہوں تو کس طرح وہ مذہب باقی رہ سکتا ہے کیونکہ مذہب کی بقاء کاتعلق ترویج واشاعت پر موقوف ہے، جیسے :

(۱) عبدالرحمٰن بن محمد اوزاعیؒ (۲) ابوسلیمان داوٗد ظاہریؒ (۳) ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ۔

کہ ان کے متبعین نہیں رہے تو مذہب بھی باقی نہیں رہا ۔

(۲) ان ادوار میں فقہ عملی اور واقعی نہ رہا بلکہ ایک حد تک نظری اور تخیلی بن گیا یعنی واقعات ومسائل کے پیش آنے سے پہلے فرض کر کے ان کے متعلق احکام بیان کئے جانے لگے۔اس سلسلے میں فقہائے عراق سب سے بازی لے گئے ان میں بعض مسائل ایسے ہیں کہ نسلیں گزرنے کے بعد ہی شاید ان کی ضرورت نہ پڑے اس طریق کار سے ایک طرف فقہ

(۱) الفقہ الإسلامی وأدلتہ ج:۱،ص:۲۹۔

نہایت وسیع اور ضخیم بن گئی اور دوسری طرف بعد کے لوگوں میں اعتماد اور سہل پسندی پیدا ہوگئی۔

فقہ اسلامی کا یہ مجموعہ موجود و محفوظ ہے اور نہایت قیمتی مباحث پر مشتمل ہے۔ [۱]

چونکہ ان زائل شدہ مذاہب میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی ، اس لئے یہ اُن کے زوال کا سبب بن گیا اور جن مذاہب میں یہ خوبی تھی وہ ترقی کر گئے۔

(۳) شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں :

''أن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحراة'' ...... الخ ۔

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ مذاہبِ اربعہ کی کتابیں ابواباً و فصولاً مدوّن اور مرتب ہیں اور افادۂ عام کیلئے مسائل اور جزئیات خاصی تفصیل کے ساتھ ان میں درج ہیں اور انہی مذاہبِ اربعہ کی کتب کی عموماً تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت ہوتی رہی اور انہی کتب سے لوگوں کی دینی طور پر پیش آمدہ مسائل میں ضروریات پوری ہوتی رہیں اور بقیہ مذاہب کو فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ [۲]

(۴) علامہ حضری بکؒ نے ان اسباب میں '' اسلامی شہروں کے علماء کے درمیان تعلقات کا انقطاع'' بھی ایک سبب شمار کیا ہے کہ ان علماء کے درمیان تعلقات کے انقطاع نے اُن کے مذاہب کو، یا اُن کے متبعین کے آپس میں انقطاع نے اُن کو زوال تک پہنچایا ہے۔ [۳]

(۵) اسی طرح آگے رقمطراز ہیں کہ ائمہ کرام کی کتابوں میں تعلقات کا انقطاع بھی ایک سبب ہے۔ یہ بڑی کتابیں جن کو قضاء و قدر نے باقی رکھا ہے یہ اسلاف کی کتابیں ہیں اور یہ آثارِ قدیمہ کی ایک نشانی ہے کہ زمانۂ قدیم سے نہ کوئی اس کی پرواہ کرتا ہے اور نہ اس کا

(۱) فقہ اسلام کا تاریخی پس منظر : ۵٦۔ (۲) الکلام المفید فی اثبات التقلید ص:۱۱٦۔

(۳) تاریخ فقہ اسلامی ص:۲۱۹۔

درس دیا جاتا ہے۔ ا؎

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ ان مذاہب کا کتابوں سے انقطاع بھی ایک سبب ہے زوال کا۔

(۶) علامہ خضری آگے تحریر فرماتے ہیں: ''اختصار کی وجہ سے مطالب میں خلل'' اختصار صرف اسی زمانے کی بدعتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ چوتھے دور میں بھی موجود تھی، کیونکہ ائمہ کے شاگردوں نے ان کے کلام میں اختصار کیا کہ ان مسائل جن کی ضرورت زیادہ نہیں ہوتی ہے ان کو حذف کردیا گیا۔ آگے لکھتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ کہ بہت سے مسائل تھوڑے الفاظ میں جمع کردیئے جاتے اور چونکہ عربی کلام کا ان کو پورا سلیقہ نہ تھا اس لئے ان کا کلام ایک معمہ یا چیستان رہ گیا۔ ۲؎

پس زوال کے اسباب میں یہ بھی شامل تھا کہ اختصار عبارات نے مذہب کے تعارف کو مشکل بنادیا۔

(۷) مذاہب مدونہ اور محررۃ کے فقہاء اور استنباط کے لئے اصول وضع ہیں جو اصول فقہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان اصولوں نے ان مذاہب کی ترقی وتدوین میں جو کردار ادا کیا ہے، بخلاف ان مذاہب کے، کہ جن کا کوئی اصول نہ تھا وہ فنا ہوگئے کیونکہ حالات کی کروٹ سے وہ کارآمد نہ رہے مولانا تقی امینی فرماتے ہیں:

''نئے حالات ومسائل کا حل دریافت کرنے کے لئے مختلف اصول وضع کرنا اور مقررہ اصول کے تحت ان کا حل دریافت کرنا، کسی نے اس کے لئے کوئی اصول وضع کیا اور کسی نے دوسرے اصول سے کام لیا''۔ ۳؎

(۱) تاریخ فقہ اسلامی ص ۲۲۰۔ (۲) تاریخ فقہ اسلامی ص ۲۲۱۔

(۳) فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۳۳۳۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ثالث:

مسئلہ تقلید

۱:- تقلید کی شرعی حیثیت :

تقلید کا مادہ ''قلادہ'' ہے۔ جب انسان کے گلے میں ہوتو ہار کہلاتا ہے، اور حیوان کے گلے میں ہوتو پٹہ کہلاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ :

''استعارت من أسماء قلادة'' (الحديث)۔ ۱

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت اسماء سے ہار مانگا تھا اور پہنا، اور نیز انہوں نے فرمایا :

''انسلت قلادة لي من عنقي فوقعت'' الحديث ۔ ۲

میرا ہار گردن سے سرک کر نیچے گر پڑا۔

لغت کے مشہور عالم علامہ قرشیؒ فرماتے ہیں:

''تقلید درگردن افگندن حمیل وغیر آن کسے۔''

تقلید کے معنی کسی کے گلے میں ہار وغیرہ ڈالنا۔

نیز فرماتے ہیں : ''و چیزے درگردن ستور قربانی درآویختن بجہت علامت''۔ ۳

اور قربانی کے جانور کی گردن میں بطور علامت کوئی چیز لٹکا دینا۔

(۱) بخاری شریف ج:۱، ص:۴۸۔ (۲) مسند احمد ج:۶، ص:۲۷۲، ۱۱ کلام المفید

(۳) سراح ص:۴۳۔

اور امام ابوالفتح ناصر بن عبدالسید لکھتے ہیں :

"تقليد الهدى أن يعلق بعنق البعير قطعة نعلٍ أو مزاوة ليعلم أنه هدى." [۱]

قربانی کے جانوروں کی تقلید یوں ہے کہ اونٹ وغیرہ کے گلے میں جوتی یا چمڑے کا ٹکڑا باندھ دیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ یہی معانی تقلید کے علامہ ابن الاثیرؒ اور اسی طرح علامہ محمد طاہرؒ نے لکھے ہے۔

گائے اور اونٹ وغیرہ کی گردن میں کوئی چیز ڈالنے کو تقلید کہتے ہیں۔ [۲]

تقلید کی اصطلاحی تعریف :

تقلید کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ غیر کے قول یا فعل کو بغیر دلیل کے سمجھنے کے قبول کیا جائے۔

چنانچہ علامہ سید سند شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) تحریر فرماتے ہیں :

"التقليد عبارة عن اتباع الإنسان غيره فيما يقول أو يفعل، معتقداً للحقية فيه، من غيرِ نظرٍو تأمل فى الدليل، كأن هذا المتبع، جَعَل قول الغير أو فعله قلادةً فى عنقه، و عبارة عن قبول قول الغير بلاحجة ولادليل". [۳]

اسی طرح تقلید کے اصطلاحی معنیٰ (تعریف) علامہ ابن عابدینؒ نے یوں ذکر کئے ہیں:

"التقليد هو أخذ قول الغير بغير معرفة دليله." [۴]

غیر کے قول کو دلیل جانے بغیر اختیار کر لینے کا نام تقلید ہے۔

اور معجم لغۃ الفقہاء میں لکھا ہے :

---

(۱) المغرب ج:۲، ص:۱۳۱۔ (۲) مصباح اللغات ص:۷۲۴، والنہایہ ج:۱، ص:۲۰۵۔
(۳) التعریفات للجرجانی ص:۴۷، ۴۸۔ (۴) شرح عقود رسم المفتی ص:۴۷۔

'' تقليد العالم اتباعه معتقداً إصابته من غير نظرٍ في الدليل'' ۔ ۱؎

عالم کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصابت رائے کا اعتقاد رکھتے ہوئے دلیل کی طرف نظر کئے بغیر اس کی پیروی کی جائے۔

اسی طرح ڈاکٹر فیض اللہ فوزیؒ لکھتے ہیں:

''التقليد، كما يعرفه الفقهاء والأصوليون : قبول قول بلا حجة، أو الأخذ بقول، والعمل به من غير حجة ۔'' ۲؎

تقلید جیسا کہ فقہاء اور اصولیین کہتے ہیں کہ غیر کا قول بلا حجت ودلیل قبول کرنا۔ یا کسی کے قول کو لینا اور اس پر بلا حجت عمل کرنا۔ اسی طرح حضرت مولانا قاضی محمد اعلیٰ صاحب تھانویؒ تقلید کی یہ تعریف کرتے ہیں :

''التقليد اتباع الإنسان غيره فيما يقول أو يفعل معتقدًا للحقية من غير نظرٍ إلى الدليل كأن هٰذا المتبع جعل قول الغير أو فعله قلادة في عنقه من غير مطالبة دليل ''۔ ۳؎

اس عبارت میں علامہؒ نے تقلید کا معنیٰ ہی اتباع غیر بلا طلبِ دلیل کے بیان کیا ہے۔ علامہ ابن ملکؒ اور علامہ ابن العینیؒ فرماتے ہیں کہ :

'' وهو عبارة عن اتباعه في قوله أو فعله معتقدًا للحقية من غير تأمل في الدليل'' ۔ ۴؎

تقلید دوسرے کے فعل یا اس کے قول کے اتباع کا نام ہے۔ یہ اعتقاد کرتے ہوئے کہ وہ حق پر ہے بغیر اس کے کہ دلیل کی فکر میں پڑے۔

تقلید غیر کی اتباع کا نام ہے۔ دلیل کی طرف دھیان کئے بغیر اس خیال سے کہ غیر اہل حق میں سے ہیں۔

---

(۱) معجم الفقہاء ص: ۱۴۱۔ (۲) دکتور فیض اللہ فوزی۔ الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیہ ص: ۱۲۸۔

(۳) کشاف اصطلاحات الفنون: ۴/ ۱۱۷۔ (۴) شرح منار مصری ص: ۲۵۲۔

تعریفات کا خلاصہ:

ان تعریفات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہم اپنے اسلاف سے حسن ظن کی بناء پر بھروسہ کریں کہ انہوں نے جو کچھ قرآن وسنت سے سمجھا ہے وہ حق اور قابل اتباع ہے، اور عام آدمی کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے، اور نہ اس کے بغیر وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس لئے تقلید مذہب کی بنیادی ضرورت ہے، پھر اس تقلید کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ تقلید کے لئے کسی خاص امام ومجتہد کو معین نہ کیا جائے بلکہ اگر ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک اختیار کیا گیا ہے۔ تو دوسرے مسئلے میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے اس کو تقلید مطلق یا تقلید عام یا تقلید غیر شخصی کہا جاتا ہے۔

تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے، کہ ایک شخص براہ راست قرآن وسنت کے علوم کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ اس کی فہم وبصیرت اور اس کے تفقہ پر اعتماد کر کے اس کی تشریحات واستنباطات کے مطابق عمل کرتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا جواز بلکہ وجوب قرآن وسنت کے بہت سے دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔

تفصیل کیلئے ''تقلید کی شرعی حیثیت'' مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اور ''الکلام المفید فی اثبات التقلید'' مولانا سرفراز خان صفدر کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲ : تقلید شخصی یا مذہب معیّن پر عمل اور فتویٰ

عہدِ صحابہؓ میں جس طرح تقلید مطلق ثابت ہے، اسی طرح معیّن فرد کی تقلید یعنی تقلیدِ شخصی بھی احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''تقلید شخصی ثابت ہے اور اس کا ثبوت درجہ ذیل احادیث سے ملتا ہے :

حدیث اوّل : عن حذيفةؓ قال : قال رسول الله (ﷺ) : ((أني لا أدري مـاقدر بقائي فاقتدوا بالذين مِن بعدي و أشارَ إلٰى أبى بكر و عمر)) . الحديث. أخرجه الترمذی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں میں کب تک (زندہ) رہوں گا، سوتم ان دونوں شخصوں کی اقتداء کیا کرنا جو میرے بعد ہوں گے اور اشارے سے ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بتلایا، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

ف: ''مِن بَعدي '' سے مراد اُن صاحبوں کی حالتِ خلافت ہے کیونکہ بلا خلافت تو دونوں صاحب آپ (ﷺ) کے روبرو بھی موجود تھے، پس مطلب یہ ہوا کہ اُن کے خلیفہ ہونے کی حالت میں اُن کا اتباع کیجیو اور ظاہر ہے کہ خلیفہ ایک ایک ہوں گے۔

پس حاصل یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تو ان کا اتباع کرنا، حضرت عمرؓ کی خلافت میں اُن کا اتباع کرنا، پس ایک زمانۂ خاص تک ایک معین شخص کے اتباع کا حکم فرمایا اور یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان سے احکام کی دلیل بھی دریافت کرلیا کرنا اور نہ یہ عادت مستمرہ تھی کہ دلیل کی تحقیق ہر مسئلہ میں کی جاتی ہے اور یہی تقلید شخصی ہے کیونکہ حقیقت

تقلید شخصی کی یہ ہے کہ ایک شخص کو جو مسئلہ پیش آوے وہ کسی مرجح کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کیا کرے اور اس سے تحقیق کر کے عمل کیا کرے اور اس مقام میں اس کے وجوب سے بحث نہیں، وہ آگے مذکور ہے، صرف اس کا جواز اور مشروعیت اور موافقتِ سنت ثابت کرنا مقصود ہے۔ سو وہ حدیث قولی سے جو ابھی مذکور ہوئی بفضلہ تعالیٰ ثابت ہے، گو معین زمانہ کیلئے سہی۔"(۱)

(۲) عن هذيل بن شرجيل في حديث طويل مختصره قال سئل أبو موسى ثم سئل ابن مسعودؓ وأخبر بقول أبي موسىٰؓ مخالفه ثم أخبر أبو موسىٰ بقوله فقال: ما دام هذا الحبر فيكم. (أخرجه البخاری وأبو داود والترمذی)

خلاصہ اس طویل حدیث کا یہ ہے کہ ہذیل بن شرجیل سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، پھر وہی مسئلہ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی بھی خبر دی تو انہوں نے اور طور سے فتویٰ دیا، پھر اُن کے فتویٰ کی خبر حضرت ابوموسیٰؓ کو دی گئی تو اُنہوں نے فرمایا کہ جب تک یہ تبحر تم لوگوں میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔

ف: حضرت ابوموسیٰؓ کے اس فرمانے سے کہ ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے مت پوچھو، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہر مسئلہ میں اُن سے پوچھنے کیلئے فرمایا ہے اور یہی تقلید شخصی ہے کہ ہر مسئلہ میں کسی مرجح کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کر کے عمل کرے۔

تقلیدِ شخصی کا حکم:

تقلید شخصی واجب ہے اور اس تقلید شخصی پر عمل کرنے سے مطلق تقلید ادا ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) الاقتصاد فی التقلید والاجتهاد، مقصد چہارم ص ۵۷۔

''تقلید شخصی (یعنی کسی امام معین کی تقلید ہر مسئلہ اور ہر حکم میں) یہ علماء اہلِ السنّت والجماعت کے نزدیک واجب ہے، کیونکہ مطلق تقلید جس کی فرضیت عند الفریقین مسلم ہے، اُس کے دو فرد ہیں، شخصی اور غیر شخصی۔ اس لئے جائز ہوا کہ اس مطلق فرض کو اُس کے جس فرد میں چاہیں ادا کردیں۔ تقلید غیر شخصی کر کے بھی اس فریضہ سے ایسے ہی بری ہوسکیں جیسے تقلید شخصی کر کے بری ہوتے ہیں، کیونکہ مامور بہ جب مطلق ہوتا ہے تو لاعلی التعین اُس کے فرد کو ادا کر دینے سے مامور بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص اپنے خادم کو حکم کرے کہ کسی آدمی کو بلالو تو وہ مختار ہے چاہے زید کو بلالے یا عمر کو یا بکر وغیرہ کو اور وہ جس کو بلالے گا، وہ اپنے فرضِ منصبی سے بری الذمہ ہو جائے گا، اسی لئے چونکہ مامور بنصِ قرآن مطلق تقلید ہے اور اُس کے دو فرد ہیں۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں دونوں پر عمل کرنے والوں پر کوئی گرفت نہ کرتے اور علیٰ ھٰذا تقلید غیر شخصی کرنے والے شخصی کرنے والے کو باطل پر نہ سمجھتے تھے۔

تقلید شخصی کے وجوب پر اجماع امت :

الغرض دونوں قسم کی تقلید زمانہ صحابہؓ و تابعینؒ میں ہوتی رہی لیکن جب دوسری صدی کے اخیر میں دیکھا گیا کہ مذاہب مجتہدین کے بکثرت پیدا ہوگئے، بہت کم احکام ایسے باقی رہے جن کی حرمت و جواز یا کراہت و استحباب وغیرہ میں خلاف نہ ہو، ادھر ابنائے زمانہ میں ہواء و ہوس کا غلبہ دیکھا گیا، وہ رخصتوں کو تلاش کرنے لگے جس امام مجتہد کا جو مسئلہ اپنی خواہش کے موافق ملا اُس کو اختیار کرلیا اور باقی کو پس پشت ڈالا۔ یہاں تک کہ اندیشہ ہوگیا کہ یہ دین متین ایک خواہشات کا مجموعہ بن جائے اور بجائے اس کے کہ مسلمان اپنے دین کا اتباع کریں، اب یہ دین کو اپنی خواہش کے تابع بنالیں گے۔ اس لئے اس زمانہ کے زیرک اور دور اندیش علماء نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ اب تقلید غیر شخصی میں اتنے بڑے بڑے مفاسد پیدا ہوگئے اور آئندہ اُن سے بڑے مفاسد کا اندیشہ ہے، اس لئے اس وقت مصلحت شرعی کا تقاضا یہ ہے کہ تقلید غیر شخصی سے لوگوں کو روکا جائے اور سب کو تقلید شخصی پر جمع کیا جائے، اس پر اجماع منعقد ہوگیا۔

تقلیدِ شخصی اور امام شاہ ولی اللہؒ :

چنانچہ محدث الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ جن کی جلالت قدر اور علم حدیث کا اعتراف محققین اہل حدیث مثل نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کو بھی ہے، اپنے رسالہ الانصاف ص نمبر ۵۹ میں فرماتے ہیں :

''و بعد المأتین ظهر فیهم التمذهب بالمجتهدین بأعیانهم و كان هذا هو الواجب فی ذلك الزمان''۔

دوسری صدی کے بعد لوگوں میں خاص خاص ائمہ کے مذہب کی پابندی یعنی تقلید شخصی شروع ہوئی اور اس زمانہ میں یہی واجب تھی۔[1]

قرونِ مشہود لہا بالخیر یعنی زمانہ صحابہ و تابعین میں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، جو شخص کسی مسئلہ سے واقف نہ ہوتا تھا وہ کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر اُس کی تقلید کر کے عمل کرتا تھا اور اس میں تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں کے نظائر اُس عہد مبارک میں ملتے ہیں (تقلید غیر شخصی کا چونکہ اہل حدیث بھی اقرار کرتے ہیں) اور زمانہ صحابہؓ و تابعینؒ میں بھی بعض لوگ تقلید شخصی کے پابند تھے اور کسی ایک ہی عالم کو اپنا مقتدا بنایا ہوا تھا۔ تمام مواضع خلاف میں اُن کے مذہب کو راجح سمجھ کر اُسی پر عمل کرتے تھے۔

اسی طرح محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں :

''یعنی ابن عباسؓ نے جب مکہ میں اقامت فرمائی تو بہت سے مسائل میں دوسرے صحابہؓ کے خلاف کیا اور بہت سے اہل مکہ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو مرجح بنا کر انہیں کے فتوی پر عمل کیا۔

---

[1] جواہر الفقہ ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۶۔

محلِ خلاف میں ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دینا اور اُن کے فتویٰ پر عمل کرنا یہی تقلید شخصی ہے۔ نیز حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں : ''و کان إبراهيم و أصحابه يرون ابن مسعودؓ و أصحابه أثبت الناس في الفقه''۔

یعنی ابراہیم نخعیؒ اور اُن کے تلامذہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور اُن کے تلامذہ کو فقہ میں اثبت الناس سمجھتے، محلِ خلاف میں اُنہی کے قول کو ترجیح دیتے تھے اور تقلید شخصی کا کوئی اس سے زائد مفہوم نہیں۔

اسی طرح عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ جب معاذ ابن جبلؓ یمن میں رسول اللہ (ﷺ) کے قاصد بن کر تشریف لائے تو میں نے اُن سے مصاحبت اختیار کی اور اُس وقت تک جدا نہیں ہوا جب تک کہ اُن کو شام میں دفن کرلیا، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اب افقہ الناس کون ہے ؟

تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور اُن کی خدمت میں رہا، یہاں تک کہ اُن کا بھی انتقال ہوگیا۔

الحاصل تقلید زمانۂ آنحضرت (ﷺ) میں ہوئی، آپ کے حکم سے ہوئی اور پھر صحابہؓ میں ہمیشہ رہی اور امت میں آج تک اسکا رواج ہے۔

تقلید کا حکم

گذشتہ تحقیق وتفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تقلید کیا چیز ہے؟ اور دین میں اتباعِ نفس سے کام لینا کتنا مذموم ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تقلید واجب ہے اور مذاہبِ اربعہ میں سے کسی بھی امام کی پیروی سے نکلنا درست نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مولانا شبیر احمد عثانی نور اللہ مرقدہٗ سے نقل کرتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ تقلید کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کر احکامِ خدا پر عمل کریں اور یہ ایک ایسا مسلّم الثبوت ضابطہ ہے کہ کوئی سمجھ دار انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے منصف اہلِ حدیث بھی مطلق تقلید کے جواز بلکہ وجوب میں اختلاف نہیں کرسکتا۔ اسی لئے اس کے عقلی اور نقلی دلائل جو عامۂ کتب میں مذکور و معروف ہیں، اُن کے لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اختلاف اور بحث صرف اس میں ہے کہ امام معین کی تقلید پر پابندی کی جاوے کہ ایک امام کی تقلید کرتے ہوئے دوسرے ائمہ کے اقوال پر عمل نہ کیا جاوے جس کو اصطلاح میں تقلیدِ شخصی کہا جاتا ہے۔'' حضرت العلامہ طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں:

''الغرض اتباعِ ھویٰ باجماعِ اُمت حرام ہے اور ادھر یہ بات تجربہ سے محسوس و مشاہدہ ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس مسئلہ میں چاہیں ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں اور جس میں چاہیں شافعیؒ کے مذہب پر، پھر جب چاہیں مالکیہؒ کے قول لے لیں اور جب چاہیں حنابلہ یا دوسرے ائمہ مجتہدین کا، تو اس کا انجام لازمی طور پر وہی ہوگا، جس کو حافظ ابن تیمیہؒ نے باجماعِ مسلمین حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔ اس شرعی مصلحت کی بناء پر عافیت اور سلامت اس میں دیکھی گئی کہ امامِ واحد کا اتباع مسائل میں لازم قرار دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل مقصود اتباعِ ہوا سے بچنا ہے اور چونکہ اس کی تدبیر اس ہویٰ پرستی کے زمانہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ عمل کرنے والوں کو آزاد نہ چھوڑا جاوے بلکہ امامِ واحد کی تقلید پر مجبور کیا جاوے، اس لئے تقلید شخصی بوجہ ذریعہ مقصود ہونے کے واجب قرار دی گئی۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید یا کسی دوسرے امام معین کی تقلید کے ثبوت کے لئے ضروری نہیں کہ قرآن وحدیث میں اُن کا نام بتلایا گیا ہو۔ اُن کی تعین کو ضروری کہا گیا ہے کیونکہ قرآن وحدیث مقاصدِ شرعیہ کی تصریح کرتے ہیں، اُن کے ذرائع کی تصریح کرنا ضروری نہیں۔ الی قولہ . صرف اتباع ہویٰ کی ممانعت تقلید شخصی کے ثبوت کے لئے کافی تھی'' [۱]

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: یہ لوگ ایک وقت اُس امام کی تقلید کرتے ہیں، جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور دوسرے وقت میں اُس امام کی جو اُس کو صحیح قرار دیتا ہے اور یہ محض اپنی غرض و ہویٰ کی وجہ سے ہے اور ایسا کرنا باتفاق اُمت ناجائز ہے (پھر اس کے تین سطر بعد لکھا) اور اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی آدمی جس وقت کسی حق شفعہ کا خود طالب ہے تو مذہب امام ابوحنیفہؒ کے موافق شفعہ جوار کے ثبوت کا اعتقاد ظاہر کرے اور اگر مشتری ہو، اور دوسرا شخص طالب شفعہ ہو تو مذہبِ امام شافعیؒ کے مطابق اُس کے عدمِ ثبوت کا معتقد بن جائے۔ [۲]

اس سے پتہ چلا کہ اتباع معین امام کی بوجہ ضرورت واجب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

و بعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم و قلّ مَن كان لايعتمد علىٰ مذهب مجتهد بعينه و كان هٰذا هُو الواجب في ذلك الزمان . [۳]

(۱) تلخیص از جواہر الفقہ ج ا ص ۱۵۰ تا ۱۵۳۔ (۲) فتاویٰ ابن تیمیہ ج ثانی ص ۲۴۰۔

(۳) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۵۹۔

اور دوصدیوں کے بعد لوگوں میں معین مجتہدوں کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور ایسے کم آدمی تھے کہ مجتہد معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اُس وقت میں پابندی مذہب معین کی واجب ہوگئی۔اسی طرح علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

''تاکید الأخذ بهذه المذاهب الأربعة و التشديد فی ترکها والخروج عنها

اعلم !أن فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة و في الإعراض عنها کلهامفسدة کبيرة و نحن نُبينُ ذلک بوجوهٍ : أحدها أن الأمة أجمعت علىٰ أن يعتمدوا على السلف فی معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابة و تبع التابعون اعتمدوا علىٰ التابعين و هٰکذا فی کلّ طبقةٍ اعتمد العلماء علىٰ من قبلهم و العقل يدل علىٰ أحسن ذلک لأن الشريعة لايعرف إلّا بالنقل والاستنباط والنّقل لايستقيم إلّا بأن يأخذ کل طبقه عمن قبلها بالاتصال ولابدّ فی الاستنباط أن يعرف مذاهب المتقدمين لئلا يخرج مِن أقوالهم فيخرق الإجماع و يبنی عليها و ليستعين فی ذلک بمن سبقه لأن جميع الصناعات کالصرف و النحو والطب والشعر والحدادة والنجارة والصياغة لَمْ يتيسر لأحدٍ اِلّا بملازمة أهلها ... إلی قوله و هم أهل البدعة لايجوز الاعتماد علىٰ أقاويلهم''[1]

ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے کی تاکید اور اُن کے چھوڑنے اور اُن سے باہر نکلنے کی ممانعت شدید ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان سب کے سب سے روگردانی کرنے میں بڑا فساد ہے اور ہم اس بات کو کئی وجہوں سے بیان کرتے ہیں :

---

[1] عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید ص۳۱۔

مذاہبِ اربعہ میں انحصار کی مصلحتِ اوّل :

وجہ اوّل یہ ہے کہ اُمت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے میں سلف پر اعتماد کریں، مثلاً تابعین نے اس بارے میں صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اور اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے پہلے علماء پر اعتماد کیا اور اس امر کی خوبی پر عقل بھی دلالت کرتی ہے، کیونکہ شریعت دو ہی باتوں سے معلوم ہوتی ہے، ایک نقل، دوم استنباط۔ اور نقل اسی طرح سے ٹھیک ہوتی ہے کہ ہر طبقہ اپنے پہلے طبقہ سے پیہم لیتا چلا آوے اور استنباط میں ضروری بات یہ ہے کہ متقدمین کے مذہب کو جانے، اس وجہ سے کہ اُن کے اقوال سے باہر نہ ہو جائے ورنہ اجماع کے مخالف ٹھہرے گا اور اس وجہ سے کہ پہلوں کے مذاہب پر اپنے قول بنا کرے اور اس وجہ سے کہ استنباط میں اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں سے اعانت لے کیونکہ سب فنون مثل صرف اور نحو اور طب اور شعر اور آہنگری اور درودگری اور زرگری کسی کو جب ہی میسر ہوتے ہیں کہ اس فن کے ماہر کی خدمت گذاری کرے اور دوسری طرح آ جانا کم اور بعید از قیاس ہے کہ کبھی ہوا نہیں، اگر چہ عقل کے نزدیک اور طرح بھی ممکن ہے اور جب اقوالِ سلف پر اعتماد کرنا ثابت ہوا تو اب یہ ضروری ہے کہ اُن کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا جائے یا سندِ صحیح سے روایت کئے گئے ہوں یا مشہور کتابوں میں قلمبند ہوں اور یہ بھی ضرور ہے کہ ان اقوال پر بحث ہوئی ہو، اس طرح کہ جن مضامین کا احتمالِ بعض مواضع میں مخصوص کر لیا جائے اور اقوالِ مطلق کو بعض مواقع میں مقید کیا جائے اور جن اقوال میں اختلاف ہو، ان میں مطابقت پیدا کی جائے اور اُن کے احکام کی علتیں بیان کی جائیں اور اگر ان باتوں کی اُن اقوال میں تصریح نہ ہوگی تو ان پر اعتماد درست نہ ہوگا اور ان اخیر وقتوں میں کوئی مذہب اس صفت کا سوائے ان چاروں مذہبوں کے نہیں، مگر ہاں امامیہ اور زیدیہ کا مذہب ہے اور وہ فرقہ بدعت والے ہیں، اُن کے اقوال پر اعتماد کرنا درست نہیں" ...... ۔

مصلحتِ ثانی :

''و ثانياً قال رسول الله (ﷺ) : ''اتبعوا السواد الأعظم''. و لما اندرست المذاهب الحقّة إلّا هٰذهِ الأربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الأعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الأعظم'' الخ [1]

اور دوسری وجہ پابندی مذہب کی یہ ہیں کہ رسولِ خدا (ﷺ) نے فرمایا کہ پیروی کرو بڑے جھتے کی اور چونکہ سچے مذہب سوائے ان چاروں مذاہب کے نیست ہو گئے تو ان کی پیروی کرنی پڑے گی انہوں کی پیروی کرنی ہے اور اُن سے باہر نکلنا بڑے جھتے سے باہر ہونا ہے۔

مصلحتِ ثالث :

''و ثالثها أن الزمان لما طال و بَعُد العهد وضيعت الأمانات لم يجز أن يعتمد علٰى أقوال علماء السوء من القُضَاةِ الجورة و المفتين التابعين لأهوائهم حتّٰى ينسبوا ما يقولون إلٰى بعض من اشتهر من السلف بالصدق والديانة والأمانة إما صريحًا أو دلالةً و حفظ قوله ذلک ولا علٰى قول مَن لا ندري هل جمع شروط الاجتهاد أولا فاذا رأينا العلماء محقين في حفظ مذاهب السلف عسٰى أن يصدّقوا في تخريجاتهم علٰى أقوالهم أو استنباطهم من الكتاب والسنة'' [2]

اور تیسری وجہ پابندی مذہب کی یہ ہے کہ جب عمدہ زمانہ کو گزرے بہت دن ہو گئے اور عرصہ بعید پڑ گیا اور امانتیں تلف کر دی گئیں تو اب اعتماد نہیں ہو سکتا، علماء یعنی ظالم قاضیوں اور ہوا پرست مفتیوں کے اقوال پر جن کی شرارت یہاں تک ہے۔ کہ اپنے قول کو سلف کے

(۱) عقد الجید ص۳۲،۳۳۔ (۲) عقد الجید ص۳۳۔

کے ایسے شخص کی طرف بصراحت یا بدلالت منسوب کرتے ہیں جو صدق اور دیانت اور امانت میں مشہور اور اُس کا وہ قول زبانوں پر مذکور ہوا اور نہ اس شخص کے قول پر اعتماد ہو سکتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ آیا شرطیں اجتہاد کی رکھتا ہے یا نہیں۔ پس جب ہم علماء کو دیکھیں کہ سلف کے مذاہب میں ثابت قدم ہیں تو غالب ہے کہ وہ مسائل جو یہ علماء سلف کے اقوال کے بموجب نکالیں یا خود کتاب وسنت سے استنباط کریں، اُن میں علماء مذکور راست جانے جائیں گے اور جب علماء میں ہم یہ بات نہ دیکھیں تو ان کے اقوال کو راست جاننا بعید ہے۔ محدث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ تقلید واجب ہے، جاننا چاہئے کہ :

تقلید شخصی کا وجوب :

واجب تقلید سے مراد تقلید شخصی ہے، کیونکہ متاخرین علماء نے مصلحت کی بنیاد پر تقلید کی دونوں قسموں میں سے تقلید شخصی کے التزام کا حکم دیا ہے اور فتویٰ دیا ہے کہ امام معین کی تقلید کی جائے گی اور جب یہ فقہائے کرام نے محسوس کی کہ لوگوں میں امانت و دیانت روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ احتیاط اور تقویٰ ختم ہو رہا ہے، اگر ایسی صورتِ حال میں تقلید مطلق کا دروازہ کھلا رکھا جائے تو بہت سے لوگ قصداً عمداً جبکہ بہت سے لوگ غیر شعوری طور پر خواہش پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ تقلید مطلق کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''ایسے قسم کے لوگ ایک وقت میں اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد لکھتے ہیں اور دوسرے موقعہ پر اُس امام کی تقلید کریں گے جو دوسرے موقعہ پر وہی نکاح کو درست سمجھتے ہیں۔ بایں طور عمل باتفاق اُمت ناجائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ تقلید امام معین کی واجب ہے اور ہندوستان میں جہاں پر دوسرے

مذاہب معدوم ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے پیروکار ہے، مکاتب، مدارس، علماء ہیں تو ایسی صورتِ حال میں امام ابوحنیفہؒ کی اقتداء کرنا واجب ہے۔

محدث الہند امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''و علی هذا ینبغي أن یقاس وجوب التقلید لامام بعینه فإنه قد یكون واجباً و قد لا یكون واجبا فإذا كان إنسان جاهل فی بلاد ماواء النهر و لیس هناک عالم شافعيّ و لا مالكيّ و لا حنبليّ و لا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب علیه أن یقلد لمذهب أبي حنیفة رحمة اللّٰه تعالٰی علیه و یحرم علیه أن یخرج من مذهبه لأنه حینئذٍ یخلع من عنقه ربقة الشریعة و ینبغي سُدیً مهملا الخ۔[۱]

اور اسی پر تقلید ایک امام معین کی واجب ہونے کو قیاس کرنا چاہئے، کیونکہ تقلید امام معین کی کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی ہے۔ مثلاً جب جاہل آدمی ہندوستان کے ممالک اور ہندوستان کے ماوراءالنھر شہروں میں ہو اور کوئی عالم شافعی مالکی اور حنبلی وہاں نہ ہو اور نہ اُن مذہبوں کی کوئی کتاب ہو تو اس پر واجب ہے کہ تقلید امام ابوحنیفہؒ کی کرے اور اُس پر حرام ہے کہ مذہب امام ابوحنیفہؒ سے باہر نکلے کیونکہ اس صورت میں شریعت کا پھندا اپنی گردن سے نکال کر مہمل بیکار رہ جائے گا۔ انتہی۔

اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ تقلید شخصی یعنی مذہب معین پر عمل نہ کرنا اور اس سے نکلنا باعث فساد ہے۔ لہٰذا تقلید شخصی واجب ہے۔

---

[۱] انصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۷۰۔۷۱۔

بابِ رابع

مسئلہ تلفیق

تلفیق کی تعریف :

تلفیق بابِ تفعیل سے مصدر ہے، اس کا معنیٰ ہے: ''آپس میں ملانا اور منسلک و پیوست کرنا''۔ صاحبِ منجد لکھتے ہیں : ''لَفَقَ : لفقًا الثوب : ضمَّ شقه منه الىٰ أخرىٰ فخاطها'' : کپڑے کو ایک دوسرے سے پیوست کرنا۔

''لَفَقَ الْحَدِيث : زخرفه و مَوَهَّمَه بالباطل''۔ کلام میں باطل اور موھومات چیزیں ملا کر مزین کرنا۔

اسی طرح فیروز اللغات میں ہے :''لفق الحديث : باطل سے مزین کرنا''۔

صاحبِ منجد کہتے ہیں : ''و الشقتين : ضمَّ إحداهما إلى الأخرىٰ فخاطهما : يقال(لَفَّقَ بين الثوبين) إذا لاءَم بينهما بالخياطة۔''

کپڑے کے دو حصے اور شق ایک دوسرے سے پیوست کرنا، سی لینا۔ کہا جاتا ہے دو کپڑوں کو آپس میں پیوست کر دیا، یعنی سی لینے کے ذریعے ایک کرنا۔ آگے لکھتے ہیں :

''تَلَفَّقَ به : لحقه به : و ما بينهم تلاءم ، تلافق القوم ، تلاءمت أمورهم''۔

یعنی ان کے اُمور آپس میں پیوست ہو گئے۔ اسی طرح لکھتے ہیں :

''لَفَقَ : لَفقًا الأمر : طلبه فلم يدركه ، لَفَق الرجل ، طلب أمراً فلم يدركه۔'' [۱]

اللفّاق : الذي لا يدركه ما يطلب : متعدی ہونے کی صورت میں امر مطلوب کو نہ پانا :

اسی طرح معجم لغۃ الفقہاء میں تحریر ہے : ''التلفیق ضم شفةٍ الٰی اُخریٰ'' : تلفیق ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملانے کا نام ہے۔

اصطلاحی تعریف :

اور اصطلاحی تعریف یہ ہے :

''القيام بعمل يجمع فيه بين عدة مذاهب حتّٰى لا يمكن اعتبار هٰذا العمل صحيحاً في أيِ مذهب من المذاهب'' ۔[۲]

ایسا کرنا جس میں کئی مذہب اس طرح جمع ہو جائیں کہ کسی بھی مذہب کے اعتبار سے وہ عمل صحیح قرار دینا ممکن نہ رہے۔

اور صاحب قواعد الفقہ نے تلفیق کی تعریف اس سے زیادہ عام الفاظ میں فرمائی ہے : ''التلفیق تتبع الرخص عن الھویٰ''.[۳]

تلفیق کے معنیٰ خواہش نفس کے تابع ہوکر رخصتوں کو تلاش کرنا۔

ان تعریفات سے یہ بات نکھر کر سامنے آ گئی کہ اصل میں لفظ تلفیق کا اطلاق حقیقۃ اس شکل پر ہی ہوگا، جس میں (عملِ واحد کی صورت میں) خرقِ اجماع لازم آ رہا ہو اور وہ (عمل میں ہونے کی شکل میں) تتبع رخص پائی جا رہی ہو۔

---

(۱) منجد جدید ص۷۲۷، ۷۲۸)۔ (۲) معجم لغۃ الفقہاء ص۴۴۔

(۳) قواعد الفقہ ص۲۳۶۔

اسی طرح ڈاکٹر فیض اللہ فوزی تلفیق کی تعریف یوں لکھتے ہیں :

"والتلفيق هو القيام بعبادةٍ أو تصرف علىٰ كيفية لا يقول بها أحد من أهل العلم ، فمن توضأ و لم يترتب بين أعضاء الوضوء أخذاً بمذهب أبي حنيفةؒ و خرج منه الدم سائلة فلم يتوضأ ثم صلّى ، آخذاً بمذهب الشافعي في هٰذا فهو ملفق "۔ [۱]

تلفیق یہ ہے کہ کسی عبادت کو یا تصرف کو ایسے طریقے سے ادا کیا جائے کہ اہل علم (مجتہدین) میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہ ہو پس اگر کسی نے وضو کیا اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے ترتیب کی رعایت نہیں رکھیؒ اور اس کے جسم سے خون بہہ نکلا پھر وضوء نہیں کیا اور نماز پڑھی امام شافعیؒ کے مذہب کو لیتے ہوئے ،تو یہ شخص تلفیق کرنے والا ہے۔

ان تعریفات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تلفیق کی حقیقت یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال میں سے ایسے اقوال کو جمع کرکے اُن پر عمل کیا جائے جس پر ایک امام نے بھی قول نہیں کیا ہو مذھب غیر کو اختیار کرنے میں اکثر متأخرین علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس سے تلفیق واقع نہ ہو جائے پس ائمہ کے درمیان اختلافی مسائل میں ہر ایک کا قول لے کر عمل کرنے پر علماء نے ایسے عمل کو باطل قرار دیا ہے اور علماء احناف کا اس پر اجماع ہے۔

وقال ابن حجر وغيره : القول بجواز التلفيق خلاف الاجماع [۲]

وايضاً قال ابن عابدينؒ : وحكم الملفق باطلٌ اجماعاً [۳]

پس ایک معاملہ جس کے ارکان یا جزئیات مختلف ہوں دو امام یا اکثر کے اقوال کو لیکر ملا جلا کر عمل کیا جائے یہ تلفیق ہے مثلاً وضو میں سر کے بعض حصے پر مسح میں امام شافعیؒ کا قول لیا پھر لمس مرأۃ کی وجہ سے عدم نقص میں امام حنیفہؒ یا امام مالکؒ کا قول کیا تو ایسا وضو

(۱) الاجتھاد فی الشریعۃ الاسلامی ص ۱۳۳، ایضاً اصول الفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۱۱۴۲۔ (۲) وھبۃ الزحیلی ۔ اصول الفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۱۱۴۲۔ (۳) ایضاً ص ۱۱۴۶۔

ائمہ میں سے کسی کے نزدیک بھی درست نہیں۔

کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک لمس سے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ربع رأس سے کم مسح یا امام مالکؒ کے نزدیک جمیع الرأس کے عدم مسح کی وجہ سے وضو درست نہیں ہوا۔

یا مثلاً کسی نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، ولی بھی موجود نہیں اور نہ مہر مقرر کیا اور نہ گواہ موجود تھے، ہر مسلک سے ایسا قول لیا جس کے بارے میں دوسرے مسلک کا قول عدم جواز کا ہے تو یہ نکاح درست نہیں۔[۱] یا مثلاً پچھنا لگوانے میں امام شافعیؒ کے قول پر عمل کیا اور سورۃ فاتحہ کی عدمِ رکنیت کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول لیا اور نماز میں ایک آیت پڑھ کر نماز پڑھ لی تو یہ نماز باالاتفاق باطل ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک سورۃ فاتحہ چھوڑ دی اور امام صاحبؒ کے نزدیک بے وضو نماز پڑھی یہ عمل واحد میں تلفیق کی مثالیں ہیں۔

دو اقوال میں تلفیق :

ایک مجتہد دو یا اکثر امام کے مختلف فیہ اقوال کو ترجیح دے تو اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک مجتہد نے پچھنا لگوانے کی وجہ سے عدم نقض وضوء کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کے قول کو ترجیح دی اور لمس کے مسئلہ میں عدم نقض وضوء یا فاتحہ کی عدم رکنیت میں امام ابوحنیفہؒ کا قول لیا۔ تو مجتہد کی یہ تلفیق درست ہے۔ جیسے پچھنا لگوانے کے بعد بلا اعادۂ وضوء نماز پڑھی اور فاتحہ کی قرأت کی، پھر دوسری نماز کے وقت اعادۂ وضو کیا اور نماز میں فقط ایک آیت کی قرأت پر اکتفاء کیا، تو اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن ایسا کرنا خلاف اولی ہے۔ آگے تلفیق کا حکم تفصیل سے آرہا ہے۔[۲]

---

(۱) اصول الفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۱۱۴۳۔

(۲) اعلاء السنن مقدمہ ج ۲ ص ۱۹۸ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی۔

تلفیق کرنے والے حضرات کے دلائل اور اُن کے جوابات

تلفیق کرنے والے حضرات اُصول کی شکل میں کچھ دلائل رکھتے ہیں، جن کی بنیاد پر یہ لوگ تلفیق کے قائل ہیں۔ درحقیقت یہ دلائل اتنے قوی اور مضبوط نہیں ہے کہ اُس کو خرقِ اجماع کے لئے ثبوت ٹھہرایا جائے۔ اس لئے علمائے اُمت نے اُن دلائل کے بہت تشفی بخش جوابات دیئے ہیں، اُن کے دلائل میں پہلے قرآن مجید کی آیات مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

دلیلِ اوّل :

(۱) ﴿ وَ إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَاوَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآءُ هُمْ لَايَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَايَهْتَدُوْنَ ﴾ [۱]

ترجمہ :- ''جب ان کفار سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو، ان احکام کی جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں، تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اسی طریق کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے (حق تعالیٰ بطورِ رد فرماتے ہیں کیا ہر حالت میں اپنے آباء واجداد ہی کی پیروی کرتے رہیں گے، گو اُن کے آباء واجداد نہ کچھ دین کو سمجھتے ہوں نہ حق کی راہ پائے ہوں۔''

پس معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے اپنے بزرگوں کے طریقہ پر چلنا بُرا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ جب تم میں نزاع ہو تو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی امام و مجتہد کی طرف رجوع نہ کرنا چاہئے، وہ آیت یہ ہے :

دلیل دوئم :

﴿ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ﴾ الآیة ۔ [۲]

(۱) سورۃ البقرۃ ایت ۱۷۰۔ (۲) سورۃ النسآء ایت ۵۹)

یعنی پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اُس کو رجوع کرو، اللہ اور رسول کی طرف، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور روزِ قیامت پر۔

جواب :

اس آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہوا کہ کفار کی تقلید سے اس تقلیدِ مبحوث عنہ کو کوئی مناسبت نہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفار کی تقلید کی مذمت میں دو وجہ فرمائی ہیں، جو آیت میں مذکور ہیں۔

دوسرے یہ کہ اُن کے وہ بزرگ عقل دین و ہدایت سے خالی تھے، سو اس تقلید میں یہ دونوں وجہیں موجود نہیں، نہ تو کوئی مقلد یہ کہتا ہے کہ ہم آیات و احادیث کو نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ دین ہمارا آیات، احادیث ہی ہے، مگر میں بے علم یا کم علم یا ملکۂ اجتہاد و قوتِ استنباط سے عاری ہوں اور فلاں عالم یا امام پر حُسنِ ظن اور اعتقاد رکھتا ہوں کہ وہ آیات و احادیث کے الفاظ اور معانی کا خوب احاطہ کئے ہوئے تھے، تو اُنہوں نے جو اس کا مطلب سمجھا وہ میرے نزدیک صحیح اور راجح ہے۔ لہٰذا میں عمل تو حدیث پر کرتا ہوں مگر اُن امام کے بتلانے کے موافق، اسی لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ قیاس مظہرِ احکام ہے، نہ مثبتِ احکام اور یہ مضمون کبھی طویل عبارت میں بیان کیا جاتا ہے، کبھی مجمل عبارت میں، مگر مقصود یہی ہوتا ہے۔ غرض کوئی مقلد قرآن و حدیث کو رد نہیں کرتا اور جس کی تقلید کرتا ہے نہ وہ علم ہدایت سے معرا تھے، جیسے تواتر سے اُن کا عاقل اور مہتدی ہونا ثابت ہے۔ پس جب اس تقلید کی مذمت آیت سے ثابت نہ ہوئی اور مطلق تقلید مراد کیسے ہو سکتی ہے، کیونکہ اس تقریر پر آیت کا ان احادیث کے ساتھ تعارض لازم آئے گا، جو ازتقلید پر دال ہیں۔[۱] جو تفصیلاً گذر چکی ہیں۔

(۱) الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد، ص ۸۲،۸۳۔

ابن حزم کا تعارف اور انکا عقیدۂ دربارۂ صفاتِ باری تعالیٰ :

آج کل کے غیر مقلدین ابن حزم کے مداح ہیں، لیکن شیخ الکل ابن تیمیہؒ سے پوچھنا چاہئے کہ ابن حزم کون ہے؟ اُصولِ تفسیر میں علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: خدا کا ہر نام اس کی ذات پر بھی اور اس کی کسی خاص صفت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ مثلاً علیم، ذاتِ الٰہی پر بھی دلالت کرتا ہے اور صفتِ علیم پر بھی۔ اسی طرح قدیر کی دلالت، ذاتِ اقدس پر بھی ہے اور قدرت پر بھی۔ اسی طرح رحیم ذاتِ برتر کو بھی ظاہر کرتا ہے اور صفتِ رحمت کو بھی۔

مذہبِ ظاہری کے جن مدعیوں نے کہا ہے کہ اسمائے الٰہی صفاتِ الٰہی پر دلالت نہیں کرتے، تو ان کا یہ مسلک حقیقت میں باطنی فرقوں قرامطہ وغیرہ کے اقوال کی قبیل سے ہے۔ (باطنیہ، اسماعیلیہ، قرامطہ وغیرہ مختلف ناموں سے ایک شیعوں کا غالی فرقہ مراد ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ شیعہ فرقہ کو بھی اُن سے کچھ نسبت نہیں ہے، یہ تیسری صدی ہجری میں عباسیوں کے دورِ حکومت کی پیداوار ہے، مجوسیت، یہودیت اور یونانی فلسفہ کا معجونِ مرکب ہے) [1]

جو کہتے ہیں کہ خدا کو نہ حیّ کہنا چاہئے اور نہ کہنا چاہئے کہ حیّ نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے دونوں نقیضوں کی نفی کرتے ہیں، خود اسمائے الٰہی کے منکر نہیں ہیں، اُنہیں تسلیم کرتے ہیں مگر ضمیروں کی طرح محض علم قرار دیتے ہیں اور اُن سے ثابت ہونے والی صفات کے منکر ہیں۔

بنابریں مذہب ظاہری میں اپنے دعوائے غلو کے باوجود جو لوگ یہاں وہی بات کہتے اور مانتے ہیں، جس کے قائل یہ قرامطہ باطنیہ ہیں تو اس بارے میں وہ بھی قرامطہ باطنیہ کے ہمنوا و ہم مسلک بن جاتے ہیں۔

(۱) ملل والنحل شہرستانی ج ۱ ص ۳۳۳۔

محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لکھتے ہیں: ’’غالبًا یہ اشارہ ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) کی طرف ہے کیونکہ علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے میں مسئلہ صفات میں ان کا مسلک صحت وصواب سے ہٹا ہوا ہے۔‘‘ ۱؎

علامہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اُن کی اس غلطی کا باعث یہ ہے کہ اپنے بعض اساتذہ سے یونانی فلاسفہ اور معتزلہ کے اقوال اُن کو ملے، جن سے وہ متاثر ہوگئے اور اُن کی خرابیاں ان پر واضح نہ ہوسکیں۔ ۲؎

(۲) مشہور اعتراضات ابن حزم کی طرف سے تقلید پر اور اثبات تلفیق کیلئے ذکر کئے جاتے ہیں، جو امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ذکر کئے ہیں۔ ابن حزم سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’قال: التقليد حرامٌ و لايحل لأحد أن يأخذ قول أحد غير رسول اللّٰه (ﷺ) بلا برهان لقوله تعالىٰ: ﴿اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء﴾ ۳؎ وقوله تعالىٰ: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَاأَنزَلَ اللّهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا﴾ ۴؎ و قال اللّٰه تعالىٰ مادحًا لمن لم يقلد: ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُوْلَئِكَ هُمْ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ﴾ ۵؎ و قال تعالىٰ: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ﴾ ۶؎

فلم يبح اللّٰه تعالىٰ الرد عند التنازع إلىٰ أحد دون القرآن والسنة و حرّم بذلك الردّ عند التنازع إلىٰ قول قائلٍ لأنه غير القرآن والسنة‘‘۔ ۷؎

(۱) منہاج السنۃ ج ۱ ص ۵۲، ۲۵۱۔ (۲) ابن تیمیہ۔ علم تفسیر ص ۱۸۔ (۳) الاعراف: ۳۔

(۴) البقرہ: ۱۷۰۔ (۵) الزمر: ۱۷، ۱۸۔ (۶) النساء: ۵۹۔ (۷) عقد الجید ص ۳۴، ۳۵۔

ابن حزم کا پہلا اعتراض ہر کوئی قرآن سے بلاواسطہ استفادہ کرے:

تقلید حرام ہے اور کسی کے لئے جائز حلال نہیں کہ کسی کا قول بے دلیل سوائے رسولِ خدا (ﷺ) کے مان لے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''چلو اسی پر جو اُتارا گیا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اُس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے اور نیز فرمایا: ''اور جب کہا جائے اُن سے کہ چلو اُس پر جو اُتارا اللہ نے تو کہتے ہیں نہیں! ہم چلیں گے اُس پر جس پر ہم نے دیکھا ہے اپنے باپ دادوں کو'' اور اللہ تعالیٰ نے تقلید نہ کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: یعنی تو خوشخبری سنا میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات اور چلتے ہیں اچھی پر وہی ہیں جن کو راہ دکھائی اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے۔ اور نیز فرمایا: ''پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ اور رسول کی طرف اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر''۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مباح نہیں فرمایا جھگڑے کے وقت رجوع کرنا کسی طرف سوائے قرآن و حدیث کے، اور اسی آیت سے حرام فرمایا جھگڑے کے وقت رجوع کرنا کسی بندہ کے قول کی طرف، اس وجہ سے کہ وہ قول قرآن وحدیث کا غیر ہے۔

ابن حزمؒ کا دوسرا اعتراض صحابہؓ ایک دوسرے کو تقلید غیر سے منع کرتے تھے:

''و قد صح إجماع الصحابة كلّهم أوّلهم عن آخرهم إلى قوله: إنه قد خالف إجماع الأمة كلها أوّلها عن آخرها بيقين لا إشكال فيه [1]''

اور صحیح ہو چکا ہے، اجماع تمام صحابہؓ کا شروع سے آخر تک اور تمام تابعین کا اور تبع تابعین کا اوّل سے آخر تک خود باز رہنے اور دوسرے کے منع کرنے پر اس بات سے کہ کوئی قصد کرے کسی انسان معین کے قول کا خواہ وہ انسان اُنہیں میں سے ہو یا اُن سے پہلے لوگوں میں سے اور اُس کے سارے قول اختیار کرے تو اب جان لے وہ شخص کے اختیار کرے

(۱) عقد الجید ص ۳۵۔

سب اقوال امام ابوحنیفہؒ کے یا سب اقوال امام مالکؒ یا سب اقوال امام شافعیؒ کے یا سب اقوال امام احمدؒ کے اختیار کرے اور اُن میں سے جس کا اتباع کرے یا جس دوسرے شخص کا مقلد ہو یا اُس کے قول کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو نہ مانے اور جو کچھ قرآن وحدیث میں آیا ہے، اُس پر بدون پرتالنے کے انسان معین کے قول پر اعتماد نہ کرے تو وہ اپنے آپ کو سمجھ لے کہ اُس نے ساری اُمت کا شروع سے آخر تک یقیناً خلاف کیا، اس میں کچھ شبہ نہیں۔

ابن حزمؒ کا تیسرا اعتراض خیر القرون میں کوئی امام نہ تھا:

''و أنه لا يجد لنفسه سلفاً و لا إمامًا في جميع الأعصار المحمودة الثلاثة فقد اتبع غير سبيل المؤمنين نعوذ بالله من هذه المنزلة'' ۔ [1]

اور یہ بھی جان لے کہ وہ اپنے لئے تینوں بہتر زمانوں میں اس باب میں کوئی پیشوا اور امام نہ پاوے گا تو بے شک اُس نے سب مسلمانوں کی راہ کے سوا راہ اختیار کی۔

ابن حزمؒ کا چوتھا اعتراض فقہاء مجتہدین اپنی تقلید سے منع کرتے تھے:

و أيضًا فإن هؤلاء الفقهاء كلّهم قد نهوا عن تقليدهم و تقليد غيرهم فقد خالف من قلدهم۔ [2]

اور نیز اُن سب فقہاء نے اپنی تقلید کرنے سے اور دوسروں کی تقلید کرنے سے منع کیا ہے، تو جو کوئی اُن کی تقلید کرتا ہے تو وہ اُن کے حکم کے خلاف کرتا ہے۔

ابن حزمؒ کا پانچواں اعتراض اگر تقلید درست ہوتی تو صحابہ کی کیجاتی:

فما الذي جعل رجلًا من هؤلاء أو من غيرهم أولى بأن يقلد من عمر بن الخطابؓ أو علي بن أبي طالب ...... الخ ۔ [3]

اور (تلفیق) یعنی عدم جوازِ تقلید کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ کونسی بات ہے جس نے ان ائمہ

(۱) عقدالجید ص ۳۵۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً۔

میں سے یا ان کے سوا اوروں میں سے ایک شخص کو تقلید کئے جانے کے واسطے بہتر کر دیا۔ بنسبت حضرت عمر فاروق یا علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے۔ اگر تقلید کسی کی درست ہوتی تو ان حضرات موصوفین میں سے ہر ایک بہ نسبت دوسرے شخصوں کے تقلید کئے جانے کا زیادہ مستحق تھا۔

ابن حزمؒ کے اعتراضات کے مفصل جوابات :

ابن حزمؒ کے ان اعتراضات کو نقل کرنے کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تفصیلی جوابات یہ ذکر کئے ہیں :

(۱) الجواب :- ابن حزمؒ کا یہ قول صرف تین شخصوں کے حق میں پورا صادق آتا ہے :

''إنما یتم في من له ضرب من الاجتهاد و لو فی مسئلةٍ واحدةٍ و فیمن ظهر علیه ظهوراً بیناً أن النبي (صلی اللہ علیہ وسلم) أمر بکذا أو نهی عن کذا ...... الخ۔''

اوّل اُس شخص کے حق میں جو اجتہاد کی کچھ نہ کچھ صلاحیت رکھتا ہو اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں ہو۔ اور اُس شخص کے حق میں جس پر صاف ظاہر ہو گیا ہو کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فلاں چیز کا حکم فرمایا، یا اُس چیز سے منع فرمایا اور یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد منسوخ نہیں اور منسوخ نہ ہونا اس طرح معلوم کیا کہ احادیث کی تلاش کی اور مسئلہ میں اقوالِ مخالف اور موافق کو دیکھا کہیں منسوخ ہونا نہ پایا۔ اس طرح کہ انبوہِ کثیر بڑے علامہ علماء کو دیکھا تو سوائے قیاس یا استنباط وغیرہ کے اور حجت نہیں بناتے تو اس صورت میں حدیث پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف کرنے کا سبب بجز نفاقِ باطنی اور حماقتِ ظاہری کے اور کچھ نہیں۔

اس اعتراض کا جواب علامہ ابن عابدینؒ نے یوں ذکر کیا ہے :

علامہ شامیؒ کا جواب :

''قال ابن عابدینؒ: قلتُ و لایخفی أن ذلک لمن کان اهلاللنظر فی النصوص و معرفة محکمهامن منسوخهافإذا نظر أهل المذهب فی الدلیل وعملوا به صح نسبته إلی المذهب لکونہ صادرًا بإذن صاحبِ المذهب إذلاشک أنه لو علم بضعف دلیله رجع عنه واتبع دلیل الأقوی ''إلی قوله'' و أقول ایضًا ینبغي تقیید ذلک بما إذا وافق قولا فی المذهب إذ لم یأذنوا فی الاجتهاد فیما خرج عن المذهب باالکلیة مما اتفق علیه أئمتنا لأن اجتهادهم أقوی من اجتهادہ فالظاهر أنهم رأوا دلیلا أرجح مما رآہ حتی لم یعلموا به.''[1]

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں کہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر حدیث شریف پر عمل کرنے کا حق اُس شخص کو ہے جو نصوص میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور محکم ومنسوخ نصوص کو پہچان سکتا ہے، پس جب کسی مسلک والے دلیل میں غور کریں گے اور امام کا قول چھوڑ کر نص کے مطابق عمل کریں گے تو اس عمل کی نسبت مذہب کی طرف کرنا درست ہے، کیونکہ وہ عمل صاحبِ مذہب کی اجازت سے صادر ہوا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر صاحبِ مذہب کو اپنی دلیل کی کمزوری معلوم ہوجاتی ہے تو وہ ضرور اپنے قول سے رجوع کرلیتا اور قوی تر دلیل کی پیروی کرتا ہے اور اسی وجہ سے بعض مسائل میں مشائخ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ مذکورہ بات کو اس شرط کے ساتھ مقید کیا جانا چاہئے کہ وہ حدیث مسلک کے کسی قول کے موافق ہو (تو اس پر عمل کیا جاسکتا ہے)۔

کیونکہ علماء نے ایسے اجتہاد کی اجازت نہیں دی ہے کہ جس سے ہمارے ائمہ کے متفق علیہ مذہب سے بالکلیہ خروج لازم آتا ہو، اس لئے کہ ائمہ کا اجتہاد اس کے اجتہاد سے قوی تر ہے،

(۱) ابن عابدین۔ شرح عقود رسم المفتی ص: ۶۷۔۶۸۔

پس ظاہر یہ ہے کہ ائمہ کے علم میں اس کی دلیل سے راجح تر کوئی دلیل ضرور آئی ہوگی، جس کی بناء پر ان حضرات نے اس شخص کی دلیل پر عمل نہیں کیا۔

مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا جواب :

اسی طرح مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں :

''کہ (عامی مقلد) اس کے اندر اتنی استعداد موجود نہیں ہے کہ وہ دلائل کے راجح و مرجوح کا فیصلہ کرے بلکہ ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی حدیث ایسی نظر آ جائے جو بظاہر اُس کے امام مجتہد کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو، تب بھی اُس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام و مجتہد کے مسلک پر عمل کرے اور حدیث کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا صحیح مطلب میں سمجھ نہیں سکا، یا یہ کہ امام مجتہد کے پاس اُس کے معارض کوئی قوی دلیل ہوگی''۔ [۱]

ابن حزم کے قول سے شاہ ولی اللہؒ کا جواب:

ابن حزم کے قول کا جواب دیتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ تحریر فرماتے ہیں:

''و فیمن یکون عامیًا و یقلد رجلاً من الفقهاء بعینه یری أنه یمتنع من مثله الخطأ و أن ما قاله هو الصواب ألبتة و أضمر فی قلبه أن لا یترک تقلیده و إن ظهر الدلیل علٰی خلافه و ذلک ما رواه الترمذی عن عدی بن حاتم رضی اللّٰه عنه أنه قال : سمعتُ رسول اللّٰه (ﷺ) یقرأ :﴿ اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ.... ﴾ قال: إنهم لم یکونوا یعبدونهم و لکنهم کانوا اِذا حلّوا لهم شیئًا استحلوه و اِذا حرموا علیهم شیئًا حرموه ۔'' [۲]

دوسرے اُس شخص کے حق میں ابن حزم کا قول صادق آتا ہے کہ وہ شخص عامی ہو کسی فقیہ معین کی تقلید کرے، اس اعتقاد سے کہ اس جیسے فقیہ سے خطا ہونی محال ہے اور جو

(۱) ... ... حیثیت ص ۸۷۔ (۲) عقد الجید ص ۳۸،

کچھ اُس نے کہا ہے وہی ٹھیک ہے اور دل میں یہ ٹھان لی کہ اُس کی تقلید نہ چھوڑوں گا، اگر چہ دلیل اُس کے خلاف ظاہر ہو اور اس کی مثال یہ حدیث ہے، جو ترمذی نے عدی بن حاتمؓ سے روایت کی کہ اُنہوں نے کہا کہ میں نے رسولِ خدا (ﷺ) کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: ''اتَّخَذُوا ..... الآية'' ..... ''فرمایا کہ وہ لوگ علماء کی پرستش نہ کرتے تھے، بلکہ جب علماء اُن کے لئے کوئی چیز قرار دیتے تو وہ اس کو حلال جانتے اور جب کسی چیز کو اُن پر حرام قرار دیتے تو اس کو حرام سمجھتے''۔

اسی طرح اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مفتی علامہ تقی عثمانی مدظلہٗ رقمطراز ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی اس آیت میں دین کے بنیادی عقائد کا ذکر ہو رہا ہے، یعنی مشرکین، توحید، رسالت اور آخرت جیسے مسائل میں حق کو قبول کرنے کے بجائے صرف یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ ہم نے اپنے آباءواجداد کو انہی عقائد پر پایا ہے، گویا اُن کی تقلید دین کے بنیادی عقائد میں تھی اور دین کے بنیادی عقائد میں تقلید ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ تمام اُصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ تقلید عقائد اور ضروریاتِ دین میں نہیں ہوتی، کیونکہ یہ مسائل نہ اجتہاد کا محل ہیں نہ تقلید کا ......''۔

لہٰذا جس تقلید کی مذمت مذکورہ آیت نے کی ہے اُسے ائمہ مجتہدین کے مقلد حضرات بھی ناجائز کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اُصولِ عقائد میں تقلید کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسی آیت سے یہی استدلال کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ دادوں کی تقلید کی مذمت کے دو سبب بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام برملا رد کر کے اُنہیں نہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم اس کے بجائے اپنے باپ دادوں کی بات مانیں گے۔ دوسرے یہ کہ اُن کے آباءواجداد عقل و ہدایت سے کورے تھے۔

لیکن ہم جس تقلید کی گفتگو کر رہے ہیں، اس میں یہ دونوں سبب مفقود ہیں۔ کوئی تقلید کرنے والا خدا اور رسول (ﷺ) کے احکام کو رد کر کے کسی بزرگ کی بات نہیں مانتا بلکہ وہ اپنے امام و مجتہد کو قرآن و سنت کا شارح قرار دے کر اُس کی تشریح کی روشنی میں قرآن و سنت پر عمل کرتا ہے۔

اسی طرح دوسرا سبب بھی یہاں نہیں پایا جاتا کیونکہ اس سے کوئی اہلِ حق انکار نہیں کر سکتا کہ جن ائمۂ مجتہدین کی تقلید کی جاتی ہے، اُن سے اختلافِ رائے کیوں نہ ہو، مگر ہر اعتبار سے اُن کی جلالتِ قدر ہر ایک کو مسلّم ہے۔ اس لئے اس تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کرنا بڑے ظلم کی بات ہے۔(۱)

ابن حزمؒ کے قول سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک اور جواب :

''و فيمن لايجوز أن يستفتي الحنفي مثلاً فقيهاً شافعياً و بالعكس ولايجوز أن يقتدي الحنفيّ بإمامٍ شافعي مثلاً فإن هذا قد خالف إجماع القرون الأولى و ناقض الصحابة و التابعين ، وليس محله فيمن لا يدين إلا بقول النبي(ﷺ) ولايعتقد حلال إلا ما أحل الله و رسوله ولاحرامًا إلّا ما حرّمه الله و رسوله إلى قوله فإن ظهر خلاف ما يظنه أقلع من ساعته من غيرِ جدال ولا ضرار۔'' (۲)

تیسرے اُس شخص کے حق میں صادق آتا ہے جو جائز نہیں رکھتا کہ مثلاً حنفی شخص شافعی فقیہ سے فتویٰ پوچھے اور شافعی حنفی سے اور نہ یہ جائز رکھے کہ حنفی کسی شافعی امام کے پیچھے مثلاً نماز پڑھے، کیونکہ اس شخص نے قرونِ اُولیٰ کے اجماع کے خلاف کیا اور صحابہ و تابعین کے عمل کا اُلٹ کیا اور ابن حزم کے قول کا محل ایسے شخص کے حق میں نہیں ہے جو دین وہی

(۱) تقلید کی شرعی حیثیت ص ۸۷۔ (۲) عقد الجید ص ۳۸، ۳۹۔

اختیار کرے جو پیغمبر (ﷺ) کا ارشاد ہو اور حلال اُسی چیز کو اعتقاد کرے، جس کو اللہ اور اُس کے رسول نے حلال فرمایا اور حرام وہی چیز جانے جس کو خدا اور رسول نے حرام کیا لیکن چونکہ اُس کو علم پیغمبر (ﷺ) کے اقوال کا نہیں اور نہ آپ کی مختلف تقریروں کی مطابقت کرنا جانتا ہے اور نہ آپ کے کلامِ مبارک سے مسائل نکالنے کا ڈھنگ اُس کو آتا ہے، اس لئے کسی نیک عالم کی تقلید کرتا ہے اس گمان پر کہ جو بات یہ کہتا ہے اور ظاہر میں فتویٰ دیتا ہے، سب میں صواب یہ ہے اور سنت رسولِ خدا (ﷺ) کا تابع ہے اور اگر اُس کے گمان کے خلاف ظاہر ہو تو بدون جھگڑے اور ہٹ کے فوراً باز رہے۔

چھٹا اور ساتواں اعتراض، مطلق تقلید اور تقلیدِ شخصی پر اعتراض و جواب :

اعتراض ! تقلید بدعت ہے۔ رسولِ خدا (ﷺ) اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے زمانہ میں تقلید نہ تھی۔

اعتراض ! تقلید شخصی کا وجود کہیں قرآن وحدیث میں نہیں آیا، اس لئے یہ بدعت ہوئی۔

الجواب عن اعتراضیں ! جاننا چاہئے کہ کسی شئے کا ضروری اور واجب ہونا دو طرح ہے، ایک یہ کہ قرآن وحدیث میں خصوصیت کے ساتھ کسی امر کی تاکید ہو جیسے نماز روزہ وغیرہ ایسی ضرورت کو وجوب بالذات کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس امر کی خود تو کہیں تاکید نہیں آئی، مگر جن اُمور کی قرآن وحدیث میں تاکید آئی ہے، اُن اُمور پر عمل کرنا بدوں اس امر کے عادۃً ممکن نہ ہو، اس لئے اس امر کو بھی ضروری کہا جاوے گا اور یہی معنیٰ ہیں علماء کے اس قول کے ''مقدمہ واجب کا واجب ہے''، جیسے قرآن وحدیث کو جمع کر کے لکھنا کہ شرع میں اس کی کہیں بھی تاکید نہیں آتی ہے، بلکہ مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث میں خود کتابت ہی کے واجب نہ ہونے کی تصریح کی ہے :

''حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ ہم تو ایک

اُمی جماعت ہیں نہ حساب جانیں نہ کتابت''، روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔

حضرت تھانویؒ اس حدیث کے فائدے میں رقمطراز ہیں :

''دلالت حدیث کی مطلوب ظاہر ہے اور جب مطلق کتابت واجب نہیں تو کتابت خاصہ کیسے واجب ہوگی، لیکن ان کا محفوظ رکھنا اور ضائع ہونے سے بچانا ان اُمور پر تاکید آئی ہے اور تجربہ ومشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بدوں مقید بالکتابت کرنے کے محفوظ رہنا عادۃً ممکن نہ تھا، اس لئے قرآن وحدیث کے لکھنے کو ضروری سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس طور پر اس کے ضروری ہونے پر تمام اُمت کا دلالۃً اتفاق چلا آرہا ہے، ایسی ضرورت گو وجوب بالغیر ہے نہ کہ وجوب بالذات، اس لئے ایسی آیت وحدیث پیش کرنا تو ضروری نہ ہوا ،جس میں تقلید شخصی کا نام لے کر تاکیدی حکم آیا ہو جیسے کتابت قرآن وحدیث کے جواب کے لئے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ باوجود اس کے کہ حدیث مذکور میں اس کے جواب کی نفی مصرح ہے، پھر بھی واجب کہا جاتا ہے اور اس سے حدیث کی مخالفت نہیں سمجھی جاتی۔ اسی طرح تقلید شخصی کے وجوب کے لئے نص پیش کرنے کی حاجت نہیں، البتہ دو مقدمے ثابت کرنا ضروری ہے۔ ایک مقدمہ یہ کہ وہ کون کون سے اُمور ہیں کہ اس زمانہ میں تقلید شخصی نہ کرنے سے ان میں خلل پڑتا ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ وہ اُمور مذکورہ واجب ہیں۔ پہلے مقدمہ کا بیان یہ ہے کہ وہ اُمور یہ ہیں۔

اوّل : علم وعمل میں نیت کا خالص دین کیلئے ہونا۔

ثانی : خواہش نفسانی پر دین کا غالب رکھنا یعنی خواہش کو دین کے تابع بنانا، دین کو اس کے تابع نہ بنانا۔

ثالث : ایسے امر سے بچنا جس میں اندیشہ قوی اپنے ضرر دین کا ہو۔

رابع : اہلِ حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا۔

خامس: دائرہ احکام شرعیہ سے نہ نکلنا، رہا یہ کہ تقلید شخصی نہ کرنے سے ان میں خلل پڑتا ہے۔

سو وہ تجربہ ومشاہدہ کے متعلق ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت اکثر طبائع میں فساد وغرض پرستی غالب ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے اور احادیث فتن میں اس کی خبر بھی دی گئی ہے، جو اہل علم پر مخفی نہیں۔"[1]

پس اگر تقلید شخصی نہ کی جاوے تو بڑے مفسدے کا خطرہ ہے۔

آٹھواں اعتراض: ائمہ نے اپنی تقلید سے ممانعت کی ہے؟

اعتراض! یہ اعتراض ابن حزم کی جانب سے پیش کیا گیا تھا، اُن کی اتباع میں آج تک پیش کیا جاتا ہے۔ اعتراض یہ ہے:

وأيضاً فإن هؤلآء الفقهاء كلّهم منعوا عن تقليدهم و تقليد غيرهم فقد خالفهم من قلّدهم[2]

کہ ائمہ نے اپنی تقلید کرنے سے خود منع کیا ہے۔

الجواب: اس اعتراض کا جواب بحوالہ حضرت شاہ صاحب تفصیلی گزر گیا ہے۔

حضرت تھانویؒ کا جواب:

مجتہدین کے اس قول کے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں، جن کو قوتِ اجتہادیہ حاصل نہ ہو ورنہ ان کا یہ قول اولاً احادیث مجوزہ تقلید کے معارض ہوگا۔ ثانیاً خود اُن کے فعل اور دوسرے اقوال کے معارض ہوگا۔ فعل سے تو اس لئے کہ کہیں منقول نہیں کہ مجتہدین ہر شخص کے سوال کے جواب کے ساتھ دلائل بھی بیان کرتے ہوں، اسی طرح اُن کے فتاویٰ جو خود اُن کے مدون کئے ہوئے ہیں، ان میں بھی التزام نقلِ دلائل کا نہیں، جیسے جامع صغیر وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ جواب زبانی ہو یا کتاب میں مدون ہو، عمل ہی کی غرض سے ہوتا ہے، تو ان کا یہ فعل خود بخود تقلید ہے اور قول سے اس لئے کہ ہدایہ اولین وغیرہا میں امام ابو یوسفؒ سے

(۱) الاقتصاد ص ۶۱، ۶۲، ۶۳۔ (۲) عقد الجید ص ۳۵۔

منقول ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ میں خون نکلوادے اور وہ اس حدیث کو سن کر ''افطر الحاجم و المحجوم'' یعنی پچھنے لگانے والا اور جس کے پچھنے لگائے ہیں دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا، یہ سمجھا جائے کہ روزہ تو جاتا ہی رہا اور پھر قصداً کھا پی لے تو اس پر کفارہ لازم آوے گا اور دلیل میں امام ابو یوسفؒ نے یہ فرمایا ہے :

''لأن علی العامی الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء فی حقه أي معرفة الأحاديث''۔ [1]

یعنی عامی پر واجب ہے کہ فقہاء کی اقتداء کرے کیونکہ اس کو احادیث کی معرفت نہیں ہوسکتی، فقط اس قول سے صاف معلوم ہوا کہ قولِ سابق مجتہدین کے مخاطب وہ لوگ ہیں، جن کو قوتِ اجتہادیہ حاصل نہ ہو، بلکہ وہ لوگ مخاطب ہیں جو قوتِ اجتہادیہ رکھتے ہیں، پس واضح ہو گیا کہ یہ خطاب صرف صاحبِ اجتہاد ہی کو ہے نہ کہ غیر مجتہد کو۔ [2]

نواں اعتراض' اجتہاد تو نبوت نہیں کہ ختم ہو جائے :

اعتراض ! تلفیق کرنے والے حضرات کہتے ہیں کہ اجتہاد کوئی نبوت نہیں کہ ختم ہو گئی ہو ہم بھی اجتہاد کر سکتے ہیں اور سب کے نزدیک ایک مجتہد کے لئے دوسرے مجتہد کی تقلید ناجائز ہے۔

الجواب ! قوت اجتہاد کا پایا جانا عقلاً یا شرعاً ممتنع ومحال تو نہیں ہے، لیکن مدت ہوئی ہے کہ یہ قوت مفقود ہے اور اس کا بہت سہل امتحان یہ ہے کہ فقہ کی ایسی کتاب سے جس میں دلائل مذکور نہ ہوں۔ کیفما اتفق سو سوالات فرعیہ جو قرآن وحدیث سے مستنبط کریں اور جن اصول پر یہ استنباط کریں ان کو بھی قرآن وحدیث کی عبارت یا اشارات یا دلیل عقلی شافی سے ثابت کریں۔

جب یہ جوابات مکمل ہو جائیں پھر فقہاء کے جوابات اور ان کے ادلہ سے موازنہ کر کے کہ انصاف کریں اس وقت اپنے فہم کا مبلغ اور ان کے فہم کی قدر ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح واضح ہو

(۱) ہدایہ ۲۰٦ کتاب الصوم ۔ (۲) الاقتصاد ص ۸٦۔

جائے گی پھر اجتہاد کا دعویٰ زبان پر نہ آوے گا چنانچہ مبصرین کو یہ تحقیق ہوگئی کہ چوتھی صدی کے بعد یہ قوت مفقود ہوگئی۔ [۱]

جبکہ شاہ صاحب نے دوصدیوں کے بعد مذہب معین پر عمل کو واجب لکھا ہے :

"وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقلّ مَن كان لا يعتمد علىٰ مذهب مجتهد بعينه وكان هذاهو الواجب في ذلك الزمان۔" [۲]

دسواں اعتراض، بعض مسائل فقہیہ احادیث کے خلاف ہیں :

اعتراض ! تلفیق کرنے والے حضرات کہتے ہیں کہ بعض مسائل احادیث کے خلاف ہیں اس لئے حدیث کے خلاف مجتہد قول کو قبول کرنا درست نہیں ؟

حضرت تھانویؒ کا جواب :

کسی مسئلہ کی نسبت یہ کہنا کہ حدیث کے مخالف ہے تین امور پر موقوف ہے۔

امر اول : اس مسئلہ کی صحیح مراد معلوم ہو۔ دوسری : اس کی دلیل پر اطلاع ہو۔

تیسری : وجہ استدلال کا علم ہو کیونکہ اگر ان تینوں امور میں سے ایک بھی خفی رہے گا مخالف کا حکم غلط ہوگا مثلاً امام صاحب کا قول مشہور ہے کہ نماز استسقاء سنت نہیں اور ظاہر اس قول کا حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ احادیث میں نماز استسقاء پڑھنا رسول (ﷺ) کا وارد ہے لیکن مقصود اس قول سے یہ ہے کہ نماز استسقاء سنت مؤکدہ نہیں چنانچہ رسول (ﷺ) نے گاہے نماز پڑھ کر دعاء باراں بھی کی کبھی بلا نماز دعا فرمادی۔ چنانچہ امام صاحبؒ کی یہ مراد ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱) الاقتصاد ص ۸۶۔ (۲) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۵۹۔

’’قلنا: فعله مرة و تركه مرة اخرىٰ فلم يكن سنة‘‘۔[۱]

گیارہواں اعتراض: مذاہب کا اربعہ میں انحصار کیوں؟

اعتراض : مذاہب کی اربعہ میں تخصیص کیوں ہے۔ تلفیق والے حضرات کہتے ہیں کہ یہ ائمہ اربعہ کی تقلید منصوصی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں نہیں آیا ہے اور مجتہدین اور بھی گزرے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کا جواب :

اس اعتراض کا ایک جواب حضرت شاہ صاحب نے دیا ہے’’:

اعلم ! أن الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحةً عظيمة وفي الإعراض عنها كلها مفسدةً كبيرةً۔‘‘ [۲]

جاننا چاہئے کہ ان چاروں مذاہب کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اوراعراض میں بڑا فساد ہے۔ جبکہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ دوسرے مجتہدین کے مذاہب مدوّن نہیں ہوئے، اس لئے وہ چھوڑے گئے اور ائمہ اربعہ کے مذاہب مدوّن ہوگئے۔ [۳]

خلاصہ کلام یہ کہ تجربہ اور مشاہدہ اور تحقیق سے اُمت اس امر پر متفق ہوئی کہ جامعیت اور تدوین کے اعتبار سے حضرات ائمہ اربعہ کے مذاہب سے زیادہ کوئی مسلک اس ضرورت کو پورا نہیں کرسکتا۔ اس لئے چوتھی صدی میں اس بات پر اجماع ہوگیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کس کی تقلید شخصی باضابطہ نہیں کی جائے گی۔

حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت: چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں :

(۱) ہدایہ ج ا ص ۲۰، ... ص ۸۸۔ (۲) عقد الجید ص ۳۱۔ (۳) الاقتصاد ص ۹۰۔

''أن هذه المذاهب الأربعه المدوّنة المحررة قد اجتمعت الأمةُ أو من يعتد منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا وفي ذلك من المصالح مالا يخفى لا سيّما في هذه الأيام التي قصرت فيها الهمم جدا فاشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذى رأى برأية''۔[۱]

یہ چاروں مذاہب جو مدون ومرتب ہیں ان کی تقلید پر آج تک امت کے معتبر افراد کا اتفاق آ رہا ہے اور اس میں جو مصالح ہیں وہ مخفی نہیں خاص کر اس زمانہ میں جبکہ لوگوں کی ہمتیں کوتاہ ہوگئی ہیں اور خواہش نفس لوگوں کے قلوب میں جاگزیں ہو چکی ہے اور اپنی رائے کو ہی اچھا سمجھنے کا دور دورہ ہے۔

شیخ عبدالغنی النابلسیؒ کا قول :

شیخ عبدالغنی النابلسی علامہ مناوی سے نقل کرتے ہیں :

''فيمنع تقليد غير الأربعة في القضاء والإفتاء لأن المذهب الأربعه انتشرت وظهرت حتى ظهر تقليد مطلقهاوتخصيص عامها بخلاف غيرهم لانقراض أتباعهم۔''[۲]

لہذا قضاء وافتاء میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی امام کی پیروی ممنوع قرار دی جائے گی ۔اس لئے کہ مذاہب اربعہ مشہور ومعروف ہو چکے ہیں حتیٰ کہ ان کے متعلق احکامات کی قیود اور عام امور کی تخصیص وغیرہ کا علم ہو گیا ہے انکے برخلاف دیگر مذہبوں کی اس طرح وضاحت نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے پیروکار ناپید ہو چکے ہیں۔

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ ص۱۵۴۔ (۲) خلاصۃ التحقیق فی امر التقلید والتلفیق ص۳۔

۳۔ تلفیق کے اسباب

گذشتہ مباحث وتفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تلفیقِ حقیقی (یعنی تتبع رخص) پر عمل پیرا ہونا جائز نہیں ہے، لیکن پھر بھی تلفیق کے عامل موجود ہیں اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

سببِ اوّل :

۱- **تشهـي و اتبـاعِ هوىٰ :** تلفیق (ترکِ مذہب) کا سب سے بڑا سبب تشہی ہے، اگر ہر کس وناکس کو تقلید شخصی سے آزاد کر کے یہ چھوٹ دی جائے کہ اپنی مرضی سے مذاہبِ اربعہ میں جو قول پسند ہو اُسے اختیار کرے تو دین میں رخصتوں پر عمل پیرا ہونے اور نفسانی خواہشات کی اتباع کا ایسا دروازہ کُھلے گا کہ شریعت مذاق بن کر رہ جائیگی۔ اس لئے آدمی جب کسی مذہب سے وابستہ ہو جائے تو خواہ مخواہ اُسے مذہب کو ترک کرنے کا اختیار نہیں دیا جاسکتا اور اس قول پر اجماع امت ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

الف : **''أن الإجـماع على منع إطلاق التخيير أي بأن يختار و يشتهي مهما أراد من الأقوال في أي وقت أراد۔''** [۱]

مطلق اختیار یعنی ''جس وقت چاہے جس قول کو چاہے اختیار کرنے کی'' ممانعت پر اجماع ہو چکا ہے۔

ب : **''و أما اتباع الهوىٰ في الحكم و الفتيا فحرامٌ إجماعاً'' ۔** [۲]

فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے میں ہوائے نفس کی پیروی بالاجماع حرام ہے۔

ج : **''و كـلام القـرا في دال عـلـى أن المجتهد و المقلد لايحل لهما الحكم و الإفتاء بغير الراجح لأنـــه اتباع للهوى وهو حرامٌ إجماعاً۔''** [۳]

(۱) شرح عقود رسم المفتی ص ۱۰۱۔ (۲) ایضاً ص ۱۰۴۔ (۳) ص ۲۷۔

علامہ قرافی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ مجتہد یا مقلد کسی کیلئے بھی غیر راجح پر فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا حلال نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ خواہش نفس کی پیروی ہے، جو بالا جماع حرام ہے۔

شیخ عبدالغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں :

قال ابن الهمام:" حكم المقلد في المسئلة الاجتهادية كالمجتهد فإنه إذا كان لهُ رأيين في مسئلةٍ و عمل بأحدهما متعين ما عمل به و امضاه بالعمل فلا يرجع عنه إلى غيره إلّا بترجيح ذلك الغير ، الخ ، فالمقلد إذا عمل بحكم من مذهب لا يرجع إلى آخر من مذهب آخر الخ ۔"[1]

علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ اجتہادی مسئلہ میں مقلد کیلئے وہی حکم ہے جو مجتہد کیلئے ہے، یعنی جب مجتہد کی کسی مسئلہ میں دو رائیں ہوں اور وہ ان میں سے ایک پر عمل کرے تو جس پر عمل کیا ہے وہ رائے متعین ہو جاتی ہے۔لہٰذا اس رائے سے اُس وقت تک رجوع نہیں کر سکتا، جب تک دوسری رائے کی ترجیح سامنے نہ آ جائے ،اسی طرح مقلد نے جب ایک مذہب کے حکم پر عمل کر لیا تو دوسرا حکم دوسرے مذہب کا اختیار نہیں کرے گا۔

الغرض جب ایک امام کا دامن تھام لیا تو اب بلا عذر یا بلا ضرورت محض اپنی طبیعت چاہنے کی بنیاد پر دوسرے امام کے مذہب کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

فقہائے کرام کے ان ملفوظات اور تشہی کی مذمت اس خاص صورت میں اس بات کی دلیل ہے کہ تلفیق کا سب سے بڑا سبب تشہی اور ہوائے نفس ہے۔مثلاً تین طلاقیں اکٹھی دینے کی صورت میں نص پر عمل کیا جائے اور تینوں کو تین شمار کرنا غیرت وخواہش پر قربان کر کے ایک شمار کرنا ہی تشہی ہے۔

(۱) خلاصۃ التحقیق ص ۵۔

دوسرا سبب : دجل وفریب:۔

اہل حدیث کا سرٹیفکیٹ :

تلفیق (ترکِ مذاہب) کا ایک سبب یہ ہے کہ عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔احادیث دکھا دکھا کر اُنہیں للکارا جاتا ہے کہ دیکھو یہ حنفی احادیث کونہیں مانتے۔اس حدیث میں یہ بات یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے، جبکہ احناف اس حدیث کو رد کرتے ہیں اور ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔عوام تو کم علم یا بے علم ہوتے ہیں۔ بلا اختیار اس دھوکہ میں پھنس جاتے ہیں، حالانکہ بات پہلے واضح ہوچکی ہے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول پر قرآن، حدیث، اقوالِ صحابہ، اجماع وغیرہ سے ضرور کوئی نہ کوئی دلیل موجود ہوگی۔

تیسرا سبب : یہودی وعیسائی مشنریوں کا مشن :

تلفیق (یعنی ترکِ مذاہب) کے اسباب میں ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان مشنریوں نے بے علم اور کم علم عوام جبکہ علمائے سوء کو اُکسا کر مسلمانانِ ہند کے اندر تفرقہ ڈالنے کے لئے فرقہ واریت کو فروغ دیا، تاکہ عیسائیوں کے خلاف شروع جنگ میں مسلمان آپس میں تقسیم ہوجائیں اور جہاد میں کمزور ہوجائے۔ اُنہیں تو ایک یہی مقصد حاصل ہوگیا کہ مسلمان آپس میں تقسیم ہوگئے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر اُنہیں ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اُنہیں ایک بیڑوں کی جماعت ہاتھ آیا کہ نہ صرف مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کا کام کرتے جبکہ انگریز آقاؤں کی سوچ وہم وگمان سے بالاتر جا کر انگریز کے خلاف جہاد کو حرام قرار دیا۔

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدرؒ کا قول :

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں :''سو بانی مبانی اس فرقہ نو احداث کا عبدالحق ہے جو چندروز سے بنارس میں رہتا ہے اور حضرت امیر المؤمنین (سید

احمد صاحب) نے ایسی ہی حرکات ناشائستہ کے باعث اپنی جماعت سے نکال دیا اور علماء حرمین نے اس کے قتل کا فتویٰ لکھا''۔ آگے لکھتے ہیں کہ :

''نام نہاد اہل حدیث کا نو احداث فرقہ ۱۲۴۶ھ سے بعد کی پیداوار ہے اور یہ پہلے اپنے آپ کو محمدی کہتے تھے، جبکہ لوگ اُن کو وہابی کہتے تھے، پھر ترقی کر کے اور سرکار برطانیہ کی طرف رجوع کر کے اور اُسے جہاد کی منسوخیت کے گیت سنا کر سرکاری دفاتر میں اہل حدیث بن گئے اور یہی نام اب تک چلا آتا ہے۔''[1]

لیکن اکثر تلفیق (یعنی ترکِ مذہب) خواہش پرستی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ڈاکٹر فیض اللہ فوزی لکھتے ہیں :

''فإن التلفيق و اتباع الرخص ، إذا كان بقصد الوصول إلى محرم أو إسقاط تكليف ، فلا شك في منعه لأنه ضرب من الحيل ، مثاله : أبا نواس وابن الرومي أراد أن يتحللا من حرمة شرب الخمر الخ۔''

اگر تلفیق حرام کو حلال کرنے کے لئے ہو تو حرام ہے۔ مثلاً ابونواس اور ابن الرومی نے شراب کی حلت کے لئے حیلہ بنایا، تو اباحت النبیذ میں ابوحنیفہؒ کا قول اختیار کیا اور'' ان النبيذ كالخمر ''میں شافعیؒ کا مذہب اختیار کیا تو کہا : ''النبيذ كالخمر و النبيذ حلال ، فالخمر حلال ، فقال أحدهما :

أحل العراقي النبيذ و شربه   و قال : حرامان المدامة و السكر
و قال الحجازي : الشرابان واحد   فحلت لنا بين اختلافهما الخمر ''

پس معلوم ہوا کہ تلفیق (ترکِ تقلید) کے بڑے اسباب میں اتباعِ نفس کا داعیہ کارفرما ہے۔

---

(۱) الکلام المفید ص ۱۱۴۔

۶۔تلفیق (ترکِ تقلید) یا اتباعِ خواہشات

خواہشات کی خاطر دور حاضر کی تلفیق (ترکِ مذہب) کرنے والوں کے چند فقہی اقوال ملاحظہ ہوں جو ان حضرات کی ذہنی کجروی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

تلفیق کی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا ہے کہ تلفیق اتباعِ خواہشات کا نام ہے۔ اس لئے حرام اور ممنوع ہے۔ مولانا محمد امین اوکاڑوی صاحبؒ رقمطراز ہیں :

تلفیق (ترکِ تقلید) کا باعث جذبہ اتباعِ حدیث نہیں بلکہ پس منظر میں سہولتِ نفس کا داعیہ کارفرما ہے۔ تلفیق (ترکِ تقلید) ان کی طبیعتوں کی سہولت پسندی اور آسانی ہے۔ ان کے نفوس کی سہل نگاری اور جسم و جان کی آرام طلبی ہے۔

(۱) مثال : دیکھئے بیس رکعت تراویح پڑھنا چونکہ ان کے نفوس پر شاق تھا۔ اس لئے غیر مقلدین نے بیس کے بجائے آٹھ رکعت تراویح کو (صحابہ کرامؓ کے اجماع کے خلاف) اپنا معمول و دستور بنایا۔

(۲) تین رکعت وتر چونکہ اُن کی طبعتوں پر گراں تھا، اس لئے اُنہوں نے ایک رکعت پر (صحابہ کرامؓ کے دائمی معمول کے خلاف) اکتفا کیا۔

(۳) ۴۸ میل سفر کر کے قصر کرنا چونکہ اُن کیلئے مشکل تھا۔ اس لئے اُنہوں نے تین میل پر قصر کرنا شروع کر دیا۔

(۴) ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین کا وقوع چونکہ اُن کے نفوس کی خواہشات کا کچومر نکالتا تھا، اس لئے اُنہوں نے تین طلاقوں کو ایک قرار دیا۔

(۵) اونٹ گائے، بیل، بھینس، بکرے اور دنبے کی قربانی پر چونکہ خطیر رقم خرچ ہوتی تھی، اس لئے انہوں نے رقم بچانے کے خاطر مرغ اور انڈے کی قربانی کے جواز کا فتویٰ دیا۔

(۶) کافر کے ذبیحہ کی حرمت سے چونکہ ان کے نفوس کی سہل انگاری متاثر ہوتی تھی۔

اس لئے انہوں نے کافر (مرزائی، یہودی، مجوسی، ملحد اور زندیق وغیرہ) کے ذبیحہ کی حلت کا فتویٰ دیا۔

(۷) غیر مقلدین کے نزدیک جو شخص عورتوں اور لونڈیوں سے لواطت کرے اس کو منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

(۸) غیر مقلدوں کے نزدیک جنبی آدمی کیلئے قرآن کریم چھونا، اٹھانا اور ہاتھ لگانا جائز ہے۔

(۹) غیر مقلدوں کے نزدیک مالِ تجارت میں زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۱۰) غیر مقلدوں کے نزدیک چاندی اور سونے کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۱۱) عورت کی شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے۔ (ترجمہ مسلم ص:۴۸، ج ا۔ از مولوی وحید الزمان)

(۱۲) سجدۂ تلاوت بے وضو جائز ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ۔ ص ۱۷۵، ج ا)

(۱۳) غیر مقلدوں کے نزدیک مرزائیوں کی اقتداء میں نماز جائز ہے۔ (فیصلہ مکہ ص:۷)

(۱۴) غیر مقلدوں کے نزدیک دادی اور نانی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

(اخبار اہلحدیث ۱۱ محرم ۱۳۲۰ھ)

(۱۵) پردے کی آیات خاص ازواج مطہرات کیلئے نازل ہوئی ہیں۔ اُمت کی عورتوں کے واسطے نہیں۔ (البنیان المرصوص، ص: ۱۲۸)

(۱٦) غیر مقلدوں کے نزدیک متعہ جائز ہے۔ (هدية المهدی، ص: ۱۱۲)

تجلیات صفدر سے مندرجہ بالا مسائل بطور ''مشت نمونہ از خروارے'' پیش کئے گئے ہیں۔

ان مسائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ تلفیق (ترکِ تقلید) کیا چیز ہے؟ خواہشات کو پورا کرنے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام لکھتے ہیں: الحکم الملفق باطل عند الحنفیہ کہ تلفیق (ترکِ تقلید) کرنے والے کا حکم باطل ہے۔ یہ حکم اس لئے لگایا گیا کہ تلفیق (ترکِ تقلید) خواہشات کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔

۷۔ تلفیق یعنی ترکِ تقلید کے نقصانات

ترکِ تقلید کے نقصانات ومفاسد بہت زیادہ ہیں، ان میں سے چند ایک ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے کہ جب تک اس ملک میں تقلید کا دور دورہ تھا، لوگ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں کفر سے اسلام کی طرف آتے رہے، لیکن جب ترکِ تقلید کا سبق سکھایا گیا تو صرف تھوڑے عرصہ میں اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر کار اسلام کو ہی سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں، بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکامِ شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ان فاسقوں میں سے بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔[۱]

(۲) باہمی تفریق وفساد :

اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں :

ترکِ تقلید سے اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے، اتحاد کے سوتے پھوٹتے اور افتراق کے چشمے اُبلتے ہیں۔ ترکِ تقلید انتشار وخلفشار، اختلاف وافتراق اور باہمی تو تکار پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب اور باعث ہے۔ ترکِ تقلید کے اُصول ہی اس بات کے متقاضی ہیں کہ غیر مقلدوں میں اتفاق واتحاد باقی نہ رہے، جب آدمی ترکِ تقلید اختیار کرتا ہے تو شتر بے مہار بن کر آزاد خیالی، مطلق العنانی، نفس پرستی اور خودسری کو اختیار کر لیتا ہیں۔

(۱) تجلیات صفدر ج ۳ ص ۳۹۶۔

اس کی گرفت کمزور اور ڈھیلی پڑتی ہے، وہ بے راہ روی میں بھٹکنا شروع کر دیتا ہے، وہ ہوا پرستی کے گھوڑے پر سوار ہو کر ضلالت کے صحراؤں اور گمراہی کے تاریک بیابانوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ خواہشات کا غلام اپنے نفس کا بندہ بن جاتا ہے۔

(۳) ترکِ تقلید کے خمیر میں افتراق وانتشار اور فتنہ وفساد ہے :

مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی پابندی نہ کرنے اور خود مختار و غیر مقلد ہوجانے میں سراسر فتنہ وفساد ہے۔ شرارت وخباثت، اختلاف وافتراق ہے۔

فرقہ واریت :

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان متحد ومتفق رہے تو اسلام نے ترقی کی۔ مسلمانوں کی دین، مذہب، کتاب، عزت وآبرو محفوظ ہوتی۔ لیکن جب سے باہمی اتفاق ختم ہوا ہے فرقہ واریت کے ناسور نے جنم لیا تو مسلمانوں کی ترقی رک گئی۔ آپس کی لڑائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کا وہ حشر کیا کہ آج پورے عالم اسلام کے مسلمان غلامی، ذلت اور رسوائی کی سی کیفیت سے مجبور ہیں۔ فرقہ واریت کو فروغ دینے میں غیر مقلدین نے جو کردار ادا کیا ہے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

ترکِ تقلید کا فساد نمبر۴، کفر وارتداد، فساد نمبر۵، لادینیت والحاد، فساد نمبر۶، فسق وفجور، فساد نمبر۷، نفاق۔

تلفیق مسلمانوں میں کفر وارتداد لادنیت والحاد فسق وفجور اور نفاق پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں لکھتے ہیں :

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے (اے کاش کہ اس سے قبل

معلوم ہو جاتی تا کہ اس کے روح فرسا نتائج سے اُمت مسلمہ محفوظ رہتی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (نہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، اُن میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لا مذہب (نیچری چکڑالوی مرزائی وغیرہ) جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکامِ شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔ ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جماعت نماز، روزہ، چھوڑ دیتے ہیں، سود وشراب سے پرہیز نہیں کرتے۔

تائید مشہور غیر مقلد عالم مولانا قاضی عبدالواحد صاحب کی قلم :

پس اس زمانہ کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین، مخالفین، سلف صالحین جو حقیقت ما جآء بہ الرسول سے جاہل ہیں۔ وہ صفت میں خلیفہ ہوئے اور وارث ہوئے، شیعہ وروافض کے، جس طرح شیعہ وروافض پہلے زمانوں میں کفر ونفاق کے باب اور دہلیز تھے اور مدخل ملاحدہ وہ زنادقہ تھے۔ اس طرح یہ جاہل، بدعتی اہل حدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں، ملاحدہ اور زنادہ منافقین کے بعینہٖ مثل اہلِ تشیع کے۔[۱]

غیر مقلدیت کا فتنہ پرور بطن :

غیر مقلدیت نے اسلام کو کمزور اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کا جو کردار ادا کیا ہے وہ بھی مسلم ہے لیکن ع لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

مسلمانوں کے نام پر ایسے مذاہب اور عقائد اور لوگ پیدا ہو گئے کہ ان کے اعمال و اخلاق سے یہود و ہنود، کفار ومشرکین شرمائے۔ اور ایسی فرقہ واریت کا بیج بویا کہ قیامت تک ان سے فساد، دجل وفریب اور اسلام کی بیخ کنی کے ناسور نکلیں گے۔

(۱) کتاب التوحید والسنہ ص ۲۶۲ (تجلیات صفدر۔

جن فتنوں نے غیر مقلدیت کے فتنہ پرور بطن سے جنم لیا، وہ فتنہ نیچریت، فتنہ انکارِ حدیث فتنہ مرزائیت اور فتنہ اباحیت کے نام سے مشہور و معروف ہیں، ان فتنوں کے بانی وہ حضرات تھے جو ابتداً غیر مقلد تھے، جب غیر مقلدیت کی تند و تیز اور تلخ شراب کا نشہ تیز سے تیز تر ہوا تو یہ اشخاص آخر کار اسلام کو سلام کر بیٹھے اور اسلام کے نئے نئے ایڈیشن تیار کرنے میں مصروف ہو گئے، ان فرقوں کے بانیوں اور ان کے معاونین کا غیر مقلد ہونا تاریخی حوالہ سے ذیل میں ملاحظہ ہو۔[1]

(۸) تلفیق (ترکِ تقلید) کا فتنہ ''فتنہ نیچریت'' :

فرقۂ نیچریت کے بانی سرسید بانی علی گڑھ کالج ابتداء میں غیر مقلد تھے۔

مشہور محقق و مؤرخ شیخ محمد اکرام اپنی مشہور تحقیقی و تاریخی کتاب ''موج کوثر'' میں لکھتے ہیں :

''سرسید احمد ۱۸۵۵ء میں ایک خط میں اپنی وفات سے تین سال قبل لکھتے ہیں : میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہے، ایک وہابی، دوسرے وہابی کریلا، تیسرے وہابی کریلا اور نیم چڑھا میں اپنے تئیں تیسری (کٹر غیر مقلد) قرار دیتا ہوں''۔

تلفیق (ترکِ تقلید) کا ایک اور نقصان و مفسدہ ''فتنہ انکار حدیث'' :

تلفیق (ترکِ تقلید) کے بت کے پجاری اور صنم خانہ غیر مقلدیت کے برہمن نشہ انانیت میں مست و مخمور ہو کر پہلے فقہ پر نکتہ چینی کرتے، اسکی برائیاں بیان کرتے اور اس سے اعراض و انکار کرتے ہیں۔ جب وہ فقہ کی بندش سے آزاد ہو جاتے ہیں، تو پھر وہ مزید آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ان کی طبعیتیں اتنی آزادی اور آوارگی پر قانع نہیں ہوتی، فقہ کی بندش سے آزادی آہستہ آہستہ ان کو انکار حدیث کے مرحلے تک پہنچا دیتی ہے۔

---

(۱) تجلیات صفدر ج ۔ ص ۹۸ تا ۲۰۱، نیز یہی تفصیل الکلام المفید میں [illegible] ص ۱۷۲ تا ۱۹۱۔

یہی وجہ ہے کہ فتنۂ انکار حدیث کا بانی و مؤسس بھی ابتداءً غیر مقلد تھا اور اس کے اخوان و انصار بھی غیر مقلد تھے۔ حتیٰ کہ دور حاضر میں انکارِ حدیث کا سب سے بڑا علمبردار غلام احمد پرویز بھی ابتداء میں غیر مقلد تھے۔

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فتنہ انکار حدیث کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

امام اہل قرآن (عبداللہ چکڑالوی) نے نفسیات کے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کرلیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جماعت کے عقائد بتدریج بدلتے ہیں، اس لئے جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کے بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے تو اُنہوں نے احادیث پر نکتہ چینی شروع کردی اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے تو وہ جمع تدوین قرآن میں رخنے نکالنے شروع کردیں گے اور جب لوگوں کو اس عیاری کا پتہ چلے گا وہ عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ کو اتنا مسموم کر چکے ہونگے کہ اس کا تدارک کسی سے نہ ہو سکے گا۔

فتنہ انکار حدیث کا بانی عبداللہ چکڑالوی ابتداءً غیر مقلد تھا۔ مشہور محقق و مورخ شیخ محمد اکرم صاحب لکھتے ہیں: (تلفیق والوں کو) فقط فقہاء کی تقلید سے آزادی کافی معلوم نہ ہوئی اور انہوں نے مختلف اسباب کی بناء پر احادیث سے بھی آزادی حاصل کرنی چاہی، اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے۔ جہاں پر لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں۔ اور یہ اپنے آپ کو اہل القرآن کا لقب دیتے ہیں اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلحدیث (غیر مقلد) تھا۔ [1]

مشہور منکر حدیث حافظ اسلم جیراجپوری بھی پہلے غیر مقلد تھا۔

مولانا محمد اسلم بھی اوائل عمر سے منسلک تھے۔

مشہور مفکر حدیث نیاز فتح پوری بھی پہلے غیر مقلد تھا۔ [2]

(۱) موج کوثر ص ۵۲۔ (۲) موج کوثر ص ۵۴۔

(۱۰) تلفیق (ترکِ تقلید) کا ایک اور نقصان فتنہ مرزائیت :

بانی فتنہ مرزائیت، قادیانیت، مرزا غلام احمد قادیانی بھی ابتداء غیر مقلد تھا۔ مرزا صاحب کا سوانح نگار ''مجدد اعظم'' کا مولف ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی لکھتا ہے :

مرزا صاحب امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور سینے پر ہاتھ باندھا کرتے تھے، لیکن امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو بھی مردود قرار نہیں دیا۔[1]

تلفیق کا ایک نقصان تجدد و اباحیت پسندی :

(۱۱) تلفیق (ترکِ تقلید) کا ایک نقصان تجدد و اباحیت پسندی ہے۔ اس پُرفتن دور میں اباحت پسندی اور تجدد کا مرض وبا کی طرح پھیل رہا ہے، جس کی وجہ سے اجتہاد اور آزادی فکر کے نام سے دین کے شعائر کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ سود اور قمار بازی کی حلت کے لوگ درپے ہیں۔ ان لوگوں کی مشکل صرف تقلید شخصی ہے۔

ایک نقصان اجماع امت سے مخالفت :

(۱۲) تلفیق (ترکِ تقلید) کا ایک نقصان اجماع کی مخالفت ہے، یہی حضرات اجماع کی مخالفت میں بہت دلیر ہیں۔ بہت سے مسائل میں غیر مقلدین جمہور صحابہ، تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے کٹے ہوئے ہیں۔ مثلاً تراویح کے بارے میں ساری امت ایک طرف اور ان سے کٹے ہوئے غیر مقلدین دوسری طرف ہے۔

اجماع سے مخالفت کی مثال: کیا بیس رکعات تراویح بدعت ہے ؟

۱۲۸۴ھ تک کسی نے ۲۰ رکعت تراویح کو بدعت نہیں کہا، ۱۲۸۴ھ میں پہلی مرتبہ کس نے آٹھ رکعت سے زائد کو بدعت قرار دیا، وہ مولی محمد حسین بٹالوی ہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے انگریز کی خوشنودی کیلئے ۱۸۸۲ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کی تائید میں جہاد کی منسوخی پر

(۱) مجدد اعظم ص ۱۳۳۳۔

ایک رسالہ بنایا" الاقتصاد فی مسائل الجهاد " لکھ کر گورنمنٹ برطانیہ کو پیش کر کے انعام اور جاگیر پائی۔ [1]

ترکِ تلفیق صحابہ وائمہ پر بداعتمادی :

(۱۴) تلفیق (ترکِ تقلید) سے صحابہ کرامؓ، ائمہ عظامؒ اور سلفِ صالحینؒ سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ اُن کی توہین میں یہ لوگ جری ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا بہترین مشغلہ صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام کی توہین ہے۔ مثلاً :

مولوی عبدالحق بنارسی (بانی فتنہ غیر مقلدیت) نے برملا کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑی، اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری اور یہ بھی دوسری مجلس میں کہا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا، ان کو پانچ حدیثیں یاد تھیں، ہم کو سب کی حدیثیں یاد ہیں۔ [2]

فتنہ انکار حدیث : ۔ تلفیق والے اپنے کو اہلحدیث کہتے ہیں لیکن یہ لوگ خود منکرینِ حدیث ہیں۔ ان لوگوں کو خواہ کتنی ہی صحیح حدیث پیش کی جائے تو یہ لوگ اتباع ھویٰ کی خاطر اعراض کرتے ہیں، غلط توجیہات اور تاویلات بیان کرتے ہیں۔

مثال :" واِذا قرءَ فانصتوا " : (جب امام قرات کرے تو خاموش رہو) یہ حدیث بالکل صحیح ہے، صریح مرفوع غیر مجروح اور غیر مقطوع ہے۔ اس کی صحت پر امام مسلمؒ نے محدثین کا اجماع نقل فرمایا ہے، لیکن غیر مقلدین حضرات اس روایت کو ٹھکراتے ہیں۔

مثال : تلفیق (ترکِ تقلید) کرنے والے حضرات ظہر کی نماز پڑھتے وقت ابراد والی صحیح صریح مرفوع اور قولی حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ ارشادِ گرامی ہے :

"اِذا اشتدّ الحرّ فا برِدوا عن الصلوٰة فإن شدة الحر من فيح جهنم۔" [3]

گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کی وجہ سے ہے۔ اس لئے ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔

(۱) تجلیات ص ۱۱۵ ج ۳۔ (۲) کشف الحجاب ص ۲۲۔ (۳) ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۳۷۔

۔ اس حدیث کی صحت کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں :

''قال أبو عیسیٰ حدیث أبي هريرة حديث حسن صحيح.''

یہ حضرات اس حدیث کی مخالفت کو اپنی امتیازی شان بنائے رکھے ہیں۔

فتنہ انکار قرآن:

تلفیق کرنے والے حضرات منکرین قرآن ہیں۔حدیث شریف سے مخالفت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ قرآن مجید کو بھی اگر اپنے ہوائے نفسی کے خلاف پائیں تو رد کرنے پر شرم محسوس نہیں کرتے،قرآن مجید کی آیت ہے :

''واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا''۔اس پر اجماع ہے۔صحابہ وتابعین وسلف کا کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اس میں مقتدی کو قراءۃ خلف الامام سے منع کیا گیا ہے،لیکن یہ حضرات اس میں من گھڑت تاویلات کرکے قرآن مجید کو رد کرتے ہیں جبکہ قراءۃ خلف الامام کے قائل ہیں۔ [1]

تلفیق کی پہلی مثال :

وضو کرنے کے بعد پچھنے لگوائے اور عورت کو مس کرلیا تو کسی امام کے نزدیک اس کا وضو باقی نہیں رہا،کیونکہ احناف کے نزدیک خروج الدم اور دوسرے حضرات کے نزدیک عورت کو چھونے کا تحقق ہوا۔

''فإنّ من احتجم و مس المرأة لايجوز بالإجماع۔'' [2]

اس لئے کہ جو شخص پچھنا لگوائے اور عورت کو مس کرے تو اس کی نماز بالاجماع درست نہیں۔

(۱) تجلیات ج۳ ص ۲۴۰۔ (۲) توضیح ص ۳۰۲۔

تلفیق حقیقی کی دوسری مثال:

(۲) ایک آدمی وضو میں اعضاء ملنے کو ضرور نہ سمجھے اور امام شافعیؒ کا قول اختیار کرے، جبکہ مَس المرأۃ سے عدم نقض کا حکم امام مالکؒ سے لے لے، تو اس کا وضو نہیں ہوتا۔

''فمن قلدالشافعیؒ فی عدم فرضیة الدلک للأعضاء المغسولة و مالکؒ في عدم نقض اللمس بلا شهوة للوضوء فتوضأ ولمس بلا شهوة وصلیٰ بطلت عندهما۔'' (۱)

تلفیق کی تیسری مثال :

اسی طرح بغیر گواہوں کے نکاح امام مالکؒ کے نزدیک درست ہے تو اس کا قول لے لیا۔ جبکہ نکاح بدونِ ولی درست ہے، عند ابی حنیفةؒ تو امام ابوحنیفہ کا قول لیا۔

اور علامہ عبدالغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں :

'' قاله الرافعی ، لأن الإمامین أبا حنیفة ومالکاً اتفقا علی البطلان'' ۔ (۲)

باالاتفاق یہ نکاح درست نہیں باطل ہے۔

بحث کے اختتام پر عبدالغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں :

''والحاصل أن جمیع هٰذه الوجوه التي استدل بهاهٰذاا لقائل بالتلفیق الخارق للاجماع المعتبر بذلک..... فی منع التلفیق کما ذکرنا''.

اور خلاصہ یہ کہ تمام وجوہات جن سے خارق اجماع تلفیق کا قائل شخص استدلال کرتا ہے، بالکل فاسد ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں اور ان میں سے کسی بھی وجہ کا کچھ بھی لحاظ نہیں رکھا جاسکتا۔ اس لئے کہ وہ تلفیق صراحۃً اجماع کے حکم کے معارض ومخالف ہے۔

(۱) توضیح ص۳۰۲۔ (۲) خلاصۃ التحقیق ص۲۱۔ (۳) خلاصہ ص۲۱۔

تلفیق حقیقی کا حکم :

ماقبل تلفیق کی تعریف، اسباب اور نقصانات ذکر کئے گئے، جن سے تلفیق کا حکم خود بخود معلوم ہوا کہ تلفیق حرام ہے، اور کسی بھی حالت میں درست اور جائز نہیں ہے، خواہ مقلد یا مجتہد اُسے اختیار کرے، خواہ ضرورۃً یا بلا ضرورت اختیار کیا جائے۔ اسلئے علامہ عبدالغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں:

(۱) ''إذا كان المجتهد لايجوز له التلفيق إذا رأى اجتهاده إلّا على حسب ماقدمناه فكيف بالمقلدالقاصر .'' (خلاصۃ التحقیق، ۱۷)

جب خود مجتہد کیلئے اس کے اجتہاد کے باوجود تلفیق (ترک تقلید) کی اجازت نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو مقلد عاجز کیلئے اس کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ نے تلفیق کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔

''ولابأس بالتقليد عندالضرورة لكن بشرط أن يلتزم جميع مايوجبه ذلك الامام لما قدمناه أن الحكم الملفق باطل .''

مذہب غیر کے تمام شرائط کو اپناتے ہوئے انتقال درست ہے البتہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تلفیق کرنے والے کا حکم باطل ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۳۸۲۔)

تلفیق کی حرمت بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالغنی النابلسیؒ فرماتے ہیں۔

''ومتى عمل عبادة أو عاملة ملفقة أخذ لها من كل مذهب قولاً لايقول به صاحب المذهب الآخر فقد خرج عن المذاهب الأربعة واخترع له مذهباً خامساً ، فعبادته باطلة ومعاملته غير صحيحة وهو متلاعب في الدين وغير عامل بمذهب من مذاهب المجتهدين .'' [1]

جب کوئی عبادت یا معاملہ ملا جلا کر اس طرح انجام دے کہ ہر مذہب سے ایسا قول

لے جس کا دوسرے مذہب والا قائل نہ ہو اور وہ معاملہ مذاہبِ اربعہ کی حدود سے خارج ہو جائے اور ایک پانچواں مذہب بن جائے تو ایسی عبادت باطل ہے اور ایسا معاملہ صحیح نہیں ہے اور ایسا معاملہ کرنے والا دین سے کھیلنے والا ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ تلفیق (حقیقی) ناجائز اور حرام ہے۔

تلفیق (ترکِ تقلید) مجازی :

یہ ہے کہ ایسا امر اختیار کرنا کہ خرق اجماع نہ ہو اگرچہ لغوی معنی سے تلفیق ہو مثلاً دو الگ الگ مسئلوں میں دو الگ الگ اماموں کی رائے لی جائے یا ایک ہی مذہب کے ائمہ کے مختلف اقوال جمع کر لئے جائیں۔

پہلی صورت :

دو مستقل مسئلوں میں تلفیق کی جائے جو ایک دوسرے سے مربوط ہوں مثلاً وضو میں چوتھائی سر سے کم پر مسح کیا اور نماز میں قراءۃ خلف الامام چھوڑ دی۔ تو وضو امام شافعیؒ کے نزدیک اور نماز احناف کے نزدیک درست ہوا یہ تلفیق (ترکِ تقلید) الگ الگ اعمال میں ہیں تلفیق حقیقی کی طرح ممنوع نہیں کہیں گے۔[۱]

چونکہ ارتباط تلفیق کے ساتھ پایا جاتا ہے اس لئے مستحسن یہ ہے کہ اس تلفیق کو اختیار نہ کیا جائے۔

دوسری صورت :

دو الگ الگ مسئلوں میں : مثلاً مس بالشہوۃ کی وجہ سے بعض صورتوں میں مالکیہؒ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوتی تو امام ابوحنیفہؒ کا قول لیا۔ جبکہ ''جماعت مسلمین'' قاضی نہ ہونے کی صورت میں قائم مقام قاضی ہے۔ اس میں امام مالکؒ کا قول اختیار کرے تو ایسے

---

(۱) ہدایہ ج۱ جزو حاشیہ ص۳۔

دو غیر مربوط مسئلوں میں تلفیق مجازی شرائط کے ساتھ درست ہے۔(۱)

ایسے دو غیر مربوط مسئلوں میں تلفیق مجازی شرائط کے ساتھ درست ہے۔

تیسری صورت :

ایک ہی مذہب کے دو اقوال لیے جائیں اور آپس میں ملا دیئے جائیں، مثلاً حنفیہ میں سے طرفین کا مسلک یہ ہے کہ محرم ایام النحر میں اگرچہ خارجِ حرم حلق یا قصر کرے تو اس پر دم واجب ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ خارجِ حرم حلق یا قصر کرے تو دم دونوں صورتوں میں واجب نہیں۔(۲)

اب کوئی شخص حلق کی صورت میں طرفینؒ کا مذہب اختیار کرے اور قصر کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کرے تو یہ مجازی تلفیق ہے اور اہلیت رکھنے والے شخص کو شرائط کے ساتھ اسے اختیار کرنے کی اجازت دی جائے گی اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مذہبوں کے اصول ایک ہی ہیں اس لئے ان میں تلفیق حقیقی کی صورت نہیں پائی جاسکتی۔

تلفیق مجازی کا حکم :

مثالوں سے واضح ہو گیا کہ فی الجملہ تلفیق مجازی کی تینوں صورتیں جائز ہیں۔ اول قسم عام حالت میں غیر مستحسن ہے جبکہ بقیہ دو صورتیں غیر مستحسن بھی نہیں ہیں۔ مگر تلفیق مجازی اختیار کرتے وقت درج ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا پھر بھی ضروری ہے۔

الف : اہلیت اجتہاد رکھنے والا ہو یا ذی رائے اشخاص اس تلفیق کو اختیار کریں۔(۳)

ب : کوئی شرعی ضرورت پائی جائے۔(جیسا کہ گزر چکا)

ج : اس دوسرے مذہب کا کوئی مفتی یا قاضی موجود نہ ہو، اگر موجود ہو تو مبتلی بہ اس سے رجوع کرے گا۔ اپنے مذہب کے مفتی کو ایسی صورت میں تلفیق کی ضرورت نہ ہوگی۔ جیسا کہ حیلہ ناجزہ سے یہ بات ثابت ہے۔

---

(۱) حیلۃ الناجزہ حاشیہ ص ۷۸۔ (۲) ہدایہ ج۱ ص ۲۷۶۔ (۳) شرح عقود ص ۷۹۔

مذہب غیر پر عمل وفتویٰ

کسی معین امام کی تقلید اور مذہب اختیار کرنے کا مسئلہ معلوم ہو چکا ہے۔امام شاہ ولی اللہؒ کے حوالے سے یہ بات گزر گئی کہ مذہب معین کو اختیار کرنا واجب ہے۔

البتہ بعض اضطراری حالات میں افتاء بمذہب الغیر مشروع ہے،البتہ افتاء بمذہب الغیر ایک مشکل عمل ہے اس کے لئے فقہاء کرام نے مخصوص حدود وقواعد وضع کئے ہیں جن سے تجاوز کرنا ائمہ کرام کے نزدیک جائز نہیں ، جب اضطرار عام ہو جائے اور وہ تمام شرائط پوری ہو جائیں جو رجوع الیٰ مذہب الغیر کی ہیں تو پھر فتویٰ بمذہب الغیر جائز ہے۔ [1]

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب ''حیلہء ناجزہ'' کے حرفِ آغاز میں تحریر فرماتے ہیں :

اگر چہ خود حنفی مذہب ہی میں اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ شدید ضرورت کے موقع پر ائمہ اربعہ میں سے کسی اور کے مذہب کے مطابق عمل کرلیا جائے ،خود مفقود اور متعنت کے بارے میں بعض متأخرین فقہاء حنفیہ نے مالکی مذہب پر فتویٰ دینے کی تصریح کی ہے، لیکن اول تو بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ مالکی مذہب میں یہ کام باقاعدہ قاضی کے بغیر بھی ہوسکتا ہے اور جن لوگوں کو معلوم بھی تھا اور وہ اس پر عمل بھی کرنا چاہتے تو انہیں دوسرے مذاہب کی تفصیلات کا علم نہیں تھا۔حالانکہ جہاں دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس مذہب کی تمام شرائط اور تفصیلات کو کما حقہ معلوم کرکے ان پر پوری احتیاط کے ساتھ عمل کیا جائے۔نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ ان شرائط کو پورا کئے بغیر دوسرے مذہب پر عمل کرنے کے خیال سے بہت سی غلط کاریوں میں مبتلا ہو رہے تھے۔ [2]

(۱) جواہر الفقہ ج:۱،ص:۱۵۷۔ (۲) حیلہ ناجزہ ص:۱۱ (حرفِ آغاز مولانا محمد تقی عثانی)۔

ان مسائل کا جاننا بہت ضروری ہے۔جو ''افتاء بمذهب الغير '' کے محتاج ہیں ۔اگر اپنے ظن اور گمان یا خواہش پرستی کی بنیاد پر ہو تو فقہاء کرام لکھتے ہیں :

''حکم الملفق باطل ''۔ [۱]

اسی وجہ سے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی فرماتے ہیں :

باقی یہ کہ مذہب غیر پر فتویٰ کس وقت دیا جاتا ہے۔یعنی باقی ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ،اور امام احمدؒ کے قول پر فتویٰ کس صورت میں بہتر ہے،تو اس میں ہم مقلدین کو انہی مواقع پر فتویٰ دینا جائز ہے ،جن مواقع میں فقہاء سے تصریح ہے ،جیسا کہ زوجہ مفقود کے بارے میں یا عدة ممتدة الطهر کے بارے میں یا اور جن مسائل میں تصریح فقہاء کی مل جائے۔ [۲]

اہل علم حضرات سے اس باب میں دو مختلف اقوال منقول ہیں ،بعض فرماتے ہیں:

افتاء بمذہب الغیر جائز نہیں کیونکہ متقدمین نے فقیہ ہونے کے لئے شرطِ اجتہاد لگائی ہے اور اس زمانہ میں یہ مفقود ہے۔

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے :

پس کم از کم اس میں یہ شرط تو ضروری رہے گی کہ مسائل سے ان کی شروط وقیود سمیت واقف ہو جن کو فقہاء اکثر چھوڑ دیتے ہیں ۔اور اہل فن کے فہم پر بھروسہ کی وجہ سے بالتصریح بیان نہیں کرتے اور اسی طرح فقیہ کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے زمانہ کے عرف اور اہل زمانہ کے احوال سے بخوبی واقف ہو اور کسی ماہر استاد سے فتویٰ دینے کا طریقہ بھی حاصل کیا ہو۔آگے تحریر فرماتے ہیں :

اس لئے اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علمائے

(۱) حاشیہ ابن عابدین ج:۱،ص:۵۵۔

(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج:۱،ص:۱۵۶(دارالاشاعت کراچی)۔

دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں، بدوں اس کے اس زمانہ میں اگر اقوال ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی کیا اجازت دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے۔ کما لا یخفی ۔ [۱]

ان عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر عمل جائز ہے اور اس ضرورت میں یہ قید نہیں کہ اس کا تحقق کب ہوا ہے بلکہ علی الاطلاق ضرورت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو عام ہے خواہ کسی زمانہ میں پیدا ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں بھی ضرورت کو عام رکھا ہے۔ [۲]

فرماتے ہیں: ''فهٰذه كلها قد تغيرت أحكامها لتغير الزمان إمّا للضرورةِ او إمّا للعرفِ أو إمّا بقرائن أحوال الخ ۔'' [۳]

ان عبارات کے ذیل میں مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں :

اس میں تصریح ہے کہ اس زمانہ میں بھی تغیر زمان ضرورتِ جدیدہ کی وجہ سے ہو جاوے تو اہلِ فتویٰ کو مذہبِ غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے، مگر علٰی أنه لو ادعٰی أحداً الخ' سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ افتاء بمذہب الغیر مخصوص تھا زمانہ اجتہاد کے ساتھ، جو چوتھی صدی پر ختم ہو چکا، پس چوتھی صدی کے بعد خواہ کیسی ہی ضرورتِ شدیدہ اور حالتِ اضطرار پیش آ جاوے، مگر جس مسئلہ میں زمانہ اجتہاد کے مشائخ نے مذہب غیر کو اختیار نہیں فرمایا، اُس مسئلہ میں بعد کے علماء کو مذہبِ غیر پر فتویٰ دینا جائز نہیں ۔مقصود ان حضرات مستدلین کا یہ ہے کہ اس رسالہ میں جو مسائل مذہب مالکیہ کے لکھے گئے ہیں، ان میں اکثر مسائل ایسے ہیں جن کو زمانہ مذکورہ میں کسی حنفی مجتہد نے نہیں لیا، اس واسطے ہم کو ان پر فتویٰ دینے کا اختیار نہیں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے :

(۱) حیلۂ ناجزہ ص: ۳۰ (دارالاشاعت کراچی)۔ (۲) حیلہ ناجزہ ص: ۳۵ (دارالاشاعت کراچی)۔
(۳) شرح عقود رسم المفتی ص: ۳۸ (قدیمی کتب خانہ کراچی)۔

اولاً : جب خود علامہ موصوف ہر زمانہ میں اس کے جواز کی تصریح فرما چکے ہیں۔

ثانیاً : یہ کہ اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو لے کر اسی چیز کے جواز پر فتویٰ ہوسکتا ہے۔ جس کا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو۔ غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذھب الغیر پر قیاس کر کے ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو دوسرے مذہب میں منصوص نہ ہو اور پھر ضرورت کی وجہ سے اس اپنے مستخرجہ جواز پر فتویٰ دے، جیسا کہ بعض لوگوں نے علامہ شامیؒ کے زمانہ میں ضرورت کا دعویٰ کر کے تلاوت علی القبر وغیرہ کی اجرت کو جائز کہا تھا، ''و قیاساً علیٰ جواز تعلیمه المنصوص فی مذهب الإمام مالکؒ و الشافعیؒ''۔ اور اس مقام پر علامہ کا اصل اسی قیاسِ فاسد کو رد کرنا ہے۔

اسی طرح علماء احناف اُجرۃ علی الطاعات کے مسئلہ میں عدم جواز کے قائل تھے، تیسری ھجری صدی تک بالاتفاق سب علماء اُجرت علی الطاعات کو مطلقاً منع فرماتے تھے، بعد میں فقیہ ابوالليث سمرقندیؒ (المتوفی ۳۷۳ھ) نے تعلیم قرآن پر اجارہ کو جائز اور اذان اور امامت وغیرہ طاعات پر ناجائز فرمایا ہے الغرض یہ استثناء زمانہ اجتہاد میں صرف تعلیم قرآن پر مقتصر رہا حتیٰ کہ شمس الائمہ سرخسیؒ (المتوفی ۵۰۰ھ) نے تصریح فرمائی ہے،

''و اجمعوا علیٰ أن الإجارة علی تعلیم الفقه باطلة۔''

اور تعلیم قرآن کے علاوہ دوسری طاعات مثل تعلیم فقہ اذان و اقامت وغیرہ پر پانچویں صدی کے بعد والے فقہ میں سے بعض نے وقتاً فوقتاً جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

چنانچہ مأتہ سادسہ میں صاحب مجمع البحرین نے امامت و تعلیم فقہ کو تعلیم قرآن کے ساتھ ملحق کر دیا مگر صاحب ہدایہ (متوفی ۵۹۳ھ) و قاضیخان (متوفی ۵۹۲ھ) جیسے جلیل القدر اور اصحاب تخریج نے اس وقت بھی محض تعلیم قرآن کی تنخواہ کو جائز قرار دیا۔ اس کے علاوہ بقیہ طاعات پر اجارہ کو بدستور ناجائز رکھا اور کنز جو متونِ متداولہ ایک ممتاز شان رکھتا ہے۔ اس میں باوجود ساتویں صدی ختم ہو جانے کے بعد بھی جواز اجارہ کو محض تعلیم قرآن پر مقتصر رکھا (صاحب کنز کی وفات ۷۱۰ھ) مگر اس کے بعد اکثر متون و شروح اور اربابِ فتاویٰ نے تعلیم قرآن

کے ساتھ تعلیم فقہ وامامت واذان کو بھی ملحق کیا ہے۔جیسا کہ مختصر وقایہ میں تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ ملحق ہے(صاحب مختصر وقایہ کی وفات ۷۴۷ہجری میں ہوئی)اور صاحب ملتقی الابحر(متوفی ۹۵٦ھ)اور صاحب درر البحار(۷۸۸ھ)نے امامت کا اضافہ کردیا اور صاحب الاصلاح والایضاح(متوفی ۹۴۰ھ)نے فقہ کی اجرت کو جائز قرار دیا اور صاحب تنویر الابصار(متوفی ۱۰۰۴ھ)نے تعلیم قرآن وفقہ وامامت کے ساتھ اذان کو شامل کردیا اور بعض فقہاء نے اقامت اور وعظ کا بھی اضافہ کردیا جب یہ تفصیل علامہ موصوف خود فرمارہے ہیں اور بایں ہمہ ان چیزوں کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں، جو چوتھی صدی سے بہت پیچھے دوسرے مذہب سے لی گئی ہیں۔

اور خود ان فقہائے کرام کا باوجود مجتہد نہ ہونے اور زمانہ اجتہاد ختم ہو جانے کے دوسری اشیاء کو ملحق کرنا اس کی بیّن دلیل ہے کہ علامہ شامیؒ کے کلام کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہو سکتا کہ چوتھی صدی کے بعد کسی کو دوسرے امام کا قول لینے کا اختیار نہیں بلکہ افتاء بمذہب الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے۔بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر لئے بغیر کوئی تکلیف نا قابلِ برداشت پیش آجاوے: ''کمابيناه من قبل أيضا هٰذا ماسخ بالبال'، والله أعلم بحقيقة الحال۔ (۱)

مذہب غیر پر فتویٰ کے چند شرائط:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حیلہ ناجزہ کے ابتداء میں مذہبِ غیر پر فتویٰ دینے کے لئے کچھ شرائط ذکر کئے ہیں۔تفصیل ووضاحت باب کیلئے پیش ہیں۔چنانچہ شرطِ اوّلین تو یہی ہے کہ مذہبِ غیر پر عمل کرنا،ضرورتِ شدیدہ کی بناء پر ہو،اتباع ہواء کیلئے نہ ہو اور اس شرط پر تمام اُمت کا اجماع اور اتفاق ابن تیمیہؒ نے نقل کیا ہے۔

"حيث قال فيمن نكح عند شهود فسقة ثم طلقها ثلاثًا فأراد التخلص من الحرمة المغلظة: بأن النكاح كان فاسداً في الأصل على مذهب الشافعيؒ فلم يقع الطلاق ما نصه وهٰذا القول يخالف إجماع المسلمين فإنهم متفقون على

(۱) حیلۂ ناجزہ ص:۳٦تا۴۰۔

أن من المعتقد حل الشيء كان عليه أن يعتقد ذلك سواءً وافق غرضه أو خالف إلى قول العلامة و يفتح الذريعة إلى أن يكون التحليل و التحريم بحسب الأهواء'' ل

مثلاً کسی نے فاسق گواہوں کے سامنے نکاح کرلیا، پھر عورت کو تین طلاق دیدی، پھر حرمت سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے مذہبِ شافعیؒ پر عمل کرلیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور ایسا کرنا اجماع المسلمین کی مخالفت ہے کیونکہ علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ کسی چیز کا اعتقادِ حلت رکھنا ہے تو پھر برابر ہے کہ موافقِ مقصد ہو یا مخالف، اگر تحریم کا معتقد ہے تو دونوں حالتوں میں اور طلاق دینے والے ولی کے فسق پر نکاح کے فساد کا فکر نہیں رکھتے، مگر تین طلاقوں کے وقت تو کبھی بحسب الھواء والغرض مصححین کا قول اختیار کر لیتے ہیں اور کبھی غرضِ فاسدہ کی نیت سے مفسدین کا اتباع کر لیتے ہیں اور ایسا کرنا باتفاقِ اُمت جائز نہیں ہے۔
تین سطور کے بعد رقمطراز ہیں:

''اور اس کی مثال جار پر ثبوتِ شفعہ کا اعتقاد رکھنا ہے جبکہ طالبِ شفعہ ہو اور جب یہی شخص خود مشتری ہے تو پھر اعتقادِ شفعہ نہیں رکھتا اور یہ اجماعاً درست نہیں ہے۔
اسی طرح وہ شخص ولایتِ فاسق پر تصحیح نکاح کا معتقد ہے اور طلاق کے وقت اُس کے فسق کی وجہ سے نکاح کے صحیح ہونے سے مخالف ہو اور یہ اجماعاً جائز نہیں ہے، اگر مستفتی معین کہتا ہے کہ میں اس سے بے خبر تھا اور آج اس کا الزام کرتا ہے تو یہ عذر معتبر نہیں ہے، کیونکہ اس سے تلاعب بالدین کا باب کھولتا ہے اور یہ اس بات کا ذریعہ ہے کہ حلت وحرمت بحسب الاھواء ہو'' ۲

ایک شرط مذہبِ غیر پر عمل کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ مذہب غیر کو اختیار کرنا خارجِ اجماع نہ ہو۔ حتیٰ کہ صاحبِ ردالمحتار نے اس پر اجماع باایں الفاظ بیان کیا ہے

(۱) حیلۂ ناجزہ ص:۱۴، ۱۵۔ (۲) فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۲، ص:۲۷۰، ۲۷۱۔

"أن الحكم الملفق باطل بالإجماع ۔" ۱؎

اور اس شرط کی تفاصیل و قیود میں طویل کلام ہے اور اختلافِ کثیر ہے اور ہمارے نزدیک ان اقوالِ مختلفہ میں یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عملِ واحد میں تلفیق خارق الاجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جداگانہ ہوں، تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے، گو ظاہراً خلافِ اجماع لازم آتا ہے، مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص ربع رأس کے کم کا مسح کرے تو حنفیہ کے نزدیک وضوء نہیں ہوتا، پس اگر کوئی شخص اس طرح وضوء کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور مسح کرے ربع رأس سے کم تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا۔ ۲؎

ضعیف قول یا مذہبِ غیر پر فیصلہ جائز نہیں ۔جسطرح قاضی اپنے مذہب کے ضعیف قول پر فیصلہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح کسی اور امام کے مذہب پر بھی فیصلہ نہیں کرسکتا۔

عمومِ بلویٰ مذہبِ غیر پر فتویٰ کیلئے معتبر ہے:

لیکن اگر ضرورتِ خاصہ پیش آجائے تو شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذہب غیر پر فتویٰ دینا درست ہے۔ اسی طرح عمومِ بلویٰ اور عرف عام کی وجہ سے بھی مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔

اگر باغ کی فصل اُسی وقت بیچی جائے، جبکہ کچھ پھل نکلے ہوں اور کچھ نہ نکلے ہوں اور پھل پکنے تک چھوڑنے کا عرف عام ہو جائے تو اگرچہ ائمہ احناف کے ضوابط کے مطابق یہ معاملہ ناجائز ہے لیکن عمومِ بلویٰ کی بناء پر شمس الائمہ حلوانیؒ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔ ۱؎

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ج:۱،ص:۵۵۔ (۲) حیلۂ ناجزہ ص:۱۵،۱۶۔

(۳) بدایۃ المجتہد ج:۲،ص:۱۱۸۔

اس اعتبار سے یہ بناء برعموم بلوئ خروج عن المذہب کی مثال بن سکتی ہے۔
علامہ شامیؒ اس مسئلے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

"قلت : لكن لايخفى تحقق الضرورة في زماننا و لا سيّما من مثل دمشق والشام كثيرة الأشجار والثمار فإنه لغلبة الجهل على الناس لايمكن إلزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذكورة و إن أمكن ذلك بالنسبة إلى بعض أفراد الناس يمكن إلى قوله : و لا يخفى أنّ هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الرواية" [۱]

میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں ضرورت کا تحقق مخفی نہیں ہے، خاص کر شام کے دمشق کے علاقے میں جہاں پھلوں اور باغات کی کثرت ہے۔ اس لئے کہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے انہیں کسی شرعی طریقہ کے ذریعے معاملہ کرنے کا پابند نہیں بنایا جا سکتا، اگر چند افراد ان پابندیوں پر عمل بھی کریں، تو عام لوگ ہرگز اس کے پابند نہیں رہ سکتے اور اُن کی عادت چھڑانا بہت تنگی کا باعث ہے اور اس کے نتیجہ میں ان شہروں میں پھلوں کا کھانا بالکل حرام قرار دینا پڑے گا، اس لئے کہ اُن کے علاوہ پھل وہاں بازار میں بیچے ہی نہیں جاتے اور جناب رسول اللہ (ﷺ) نے ضرورت کی بناء پر بیع سلم کی رخصت عنایت فرمائی، حالانکہ وہ معدوم شئی کی بیع ہے، تو جب یہاں بھی ضرورت متحقق ہے تو اُسے بھی بیع سلم کے حکم کے ساتھ ملحق کرنا دلالۃً ممکن ہے، اس اعتبار سے یہ بیع نص کے معارض نہ ہوگی۔

اس بناء پر جواز کے حکم کو علماء نے استحسان میں شمار کیا ہے، کیونکہ قیاس تو عدم جواز کا متقاضی ہے اور فتح القدیر کے ظاہر کلام سے بھی جواز کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے صاحب فتح نے امام محمدؒ سے اس کے بارے میں روایت نقل کی ہے۔ بلکہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ شمس الائمہ نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ جب بھی معاملہ میں تنگی

(۱) شامی ج:۴، ص:۵۵۶۔

پڑ جاتی ہے، تو اُسے کشادہ کیا جاتا ہے اور یقیناً اس اُصول سے زیر بحث مسئلہ میں ظاہر الروایت سے عدول کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مفتی حمص محمد خالد اتاسیؒ فرماتے ہیں:

"المادہ .۱۷. المشقة تجلب التيسير، يعنى أن الصعوبة تصير سببًا للتسهيل ويلزم التوسيع فى وقت المضايقة يتفرع علىٰ هٰذا الأصل كثير من الأحكام الفقيه كالقرض والحوالة والحجر وغير ذلک. وما جوزه الفقهاء من الرخص والتخفيفات فى الأحكام الشرعية مستنبطٌ من هٰذه القاعده." [۱]

حضرت تھانویؒ کے ایک فتویٰ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ: عرفِ عام ہونے کی صورت میں عمومِ بلویٰ کی بناء پر مذکورہ معاملہ درست ہے۔ [۲]

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس طرح کی ضرورت پیش آنے کی بناء پر مذہب کو ترک کیا جائے تو وہ بھی قصدِ محمود پر محمول ہوگا۔

ضرورتِ خاصہ کا اعتبار کیا جائے گا :

ضرورتِ خاصہ کی بناء پر مذہب سے خروج کی مثال: خاص اور انفرادی حاجتوں کی بناء پر حضرات فقہاء تقریباً ہر زمانہ میں مذہبِ غیر پر فتویٰ دیتے رہے ہیں، اس سلسلہ کی بعض مثالیں پیش کی جاتی ہے۔

معتده ممتدة الطهر کا حکم :

(۱) عورت ممتدۃ الطہر یعنی جسے بلوغ کے بعد ۳ حیض آکر خون بند ہوگیا تو اگر اسی حالت میں وہ مطلقہ ہوجائے تو احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک اُسے تین حیض نہ آجائیں، وہ عدت میں ہی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم عورت کے لئے نہایت مشقت کا باعث ہے۔ اس لئے علماء نے مشقت کو دفع کرتے ہوئے امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا

---

(۱) شرح المجلة ج:۱، ص:۴۸۔ (۲) امداد الفتاویٰ ج:۳، ص:۹۶۔

کہ ۹ مہینے گزرنے پر اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں :

''و نظیر هٰذهِ المسئله عدة ممتدة الطهر التي بلغت لرؤية الدم ثلاثة أيام ثم امتد طهرها فإنها تبقى فى العدة إلىٰ أن تحيض ثلاث حيض وعند مالك تنقضى عدتها بثلاثة أشهر وقد قال فى البزازيه : الفتوىٰ فى زماننا على قول مالكٌ وقال الزاهدى كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة ۔'' [۱]

اور اس مسئلہ کی نظیر ممتدۃ الطہر عورت کی عدت کا مسئلہ ہے یعنی وہ عورت جو تین دن حیض کا خون دیکھنے سے بالغ ہوتی پھر وہ برابر پاک رہنے لگی تو ہمارے ہاں حکم یہ ہے کہ وہ اس وقت تک عدت ہی میں رہے گی جب تک کہ تین حیض نہ آ جائے اور امام مالک کے نزدیک ایسی عورت کی عدت ۹ مہینے میں پوری ہو جائے گی اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں فتویٰ امام مالک کے قول پر ہے اور علامہ زاہدی نے فرمایا کہ ہمارے بعض اصحاب اسی قول پر ضرورۃً فتویٰ دیا کرتے تھے۔

دائن کا مدیون کے گھر سے حق وصول کرنے کا حکم :

(۲) اگر دائن اپنے قرضے کی جنس کا مال قرضہ کے بقدر مدیون کے گھر سے چرا لے تو اس کی اجازت ہے، لیکن اگر خلاف جنس مال چرائے گا تو احناف کے نزدیک اس کی اجازت نہیں بلکہ جرم ثابت ہونے پر قطع ید ہوگا۔ جبکہ اس کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ :

(۱) شامی ج:۴، ص:۲۹۶۔

دائن مدیون سے اپنے قرضے کے بقدر ہر طرح کا مال لے سکتا ہے۔ خواہ موافق جنس ہو یا خلافِ جنس، چونکہ یہاں دائن کے حق کے احیاء کی ضرورت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا متأخرین احناف نے بوقت ضرورت امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے ملتقی الابحر میں مذکور ہے :

''و إن كان دينه نقداً فسرق عرضًا قطع خلافاً لأبي يوسفؒ و أطلق الشافعيؒ أخذ خلاف الجنس للمجانسة في المالية قال في المجتبىٰ وهو أوسع فيعمل به عند الضرورة''. [۱]

اور اگر اس کا دین نقد تھا اور اس نے کوئی سامان مقروض سے چرالیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ البتہ اس بارے میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے اور امام شافعیؒ نے خلافِ جنس مال لینے کی بھی اجازت دی ہے۔ کیونکہ مالیت میں مماثلت پائی جارہی ہے اور مجتبیٰ میں فرمایا ہے کہ یہی امام شافعیؒ کا قول اوسع ہے۔ لہٰذا ضرورت کے وقت اس قول پر عمل کیا جائے گا۔

اور علامہ ابن عابدینؒ قہستانی سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

''وفيه إيماء إلى ماله أن يأخذ من خلاف جنسه عندالمجانسته في المالية وهو أوسع فيجوز الأخذ به و إن لم يكن مذهبنا فإن الإنسان يعذر في العمل به عندالضرورة''۔ [۲]

اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دائن مدیوں کا خلافِ جنس مال بھی (بلا اجازت) لے سکتا ہے بشرطیکہ مالی برابری پائی جائے، اور یہ قول زیادہ وسعت کا باعث ہے اور اس قوم کو اختیار کرنا درست ہے اگر چہ یہ ہمارا مذہب نہیں ہے، کیونکہ انسان ضرورت کے وقت ایسے قول پر عمل کرنے میں معذور سمجھا جاتا ہے۔

---

(۱) ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر ج:۱،ص:۶۲۱۔ (۲) شامی ج:۴،ص:۲۹۶۔

الحاصل مذہب غیر کو اختیار کرنے کیلئے ان امور کی رعایت ضروری ہے:

(۱) ضرورتِ معتبرہ شدیدہ پائی جائے۔

(۲) رخصت کی اتباع کا خیال نہ ہو بلکہ مجتہد اپنے اجتہاد کی بناء پر اس قول کو اختیار کر رہا ہو۔

(۳) مذہب غیر سے جو قول لیا جائے وہ اس مذہب غیر کی تمام شرائط و آداب کی رعایت کے ساتھ لیا جائے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے ضرورت کے وقت جمع بین الصلوتین کی اجازت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ: ایسا ضرورتمند حنفی جب جمع بین الصلوتین کرے گا تو اُسے مذہب شافعی کے مطابق حالت اقتدا میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ہوگی۔ اسی طرح وضو کے بعد میں مس ذکر اور مس مراءۃ سے اجتناب کرنا ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: ''ولا بأس بالتقلید عندالضرورۃ لکن بشرط أن یلتزم جمیع مایوجبہ ذلک الإمام لماقدمنا أن الحکم الملفق باطل بالإجماع۔''[۱]

۴۔ مذہب غیر کو اختیار کرنے میں خرقِ اجماع کا لزوم نہ ہو۔

۵۔ متقدمین کے نزدیک شرط اجتہاد ہے اور اس دور میں کم از کم تین چار محقق علماء کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا ضروری ہے۔

(۱) شامی ج۱ص۳۸۲،البحرالرائق ج۱ص۲۵۲،مذہب غیر پر فتوی عمل ص۵۹۔

انتقال من مذهبٍ إلى مذهبٍ:

ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا:

عام کیلئے انتقال من مذھبٍ الیٰ مذھبٍ کا حکم:

ایک شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کا۔ اگر یہی شخص امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) اگر یہی شخص عالم ہے، وسعت نظر اور وسعتِ علم کی بنیاد پر دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے شافعی المسلک بنتا ہے یا حنبلی المسلک بنتا ہے نیز کوئی خواہش نفس کا داعیہ کارفرمانہ ہو تو اسکی گنجائش ہے۔ چنانچہ مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ''جس اعتماد کی بناء پر ایک امام کی تقلید کی تھی اگر وہ اعتماد وسعتِ نظر و علم کی بناء پر وہاں سے ختم کر دوسرے امام کے ساتھ قائم ہوگیا ہے۔ تو کلیۃً انتقال مذہب کی اجازت ہے، جزوی انتقال میں تلفیق کا مفسدہ ہے۔''[۱]

چنانچہ محشی اس جواب کے ضمن میں لکھتے ہیں:

لم أجده فى الحموى على الأشباه : وقال في مقدمة إعلاء السنن : قال صاحب جامع الفتاوى من الحنفية : يجوز للحنفي أن ينقل إلىٰ مذهب الشافعيّ وبالعكس لكن بالكلية ، أما فى مسئلة واحدةٍ فَلَا يُمكن .[۲]

میں نے اس بات کو حموی علی الاشباہ میں نہیں پایا۔ مقدمہ اعلاء السنن میں لکھا ہے احناف سے جامع الفتاوی نے لکھا ہے کہ حنفی کیلئے جائز ہے کہ وہ مذھب شافعی کو اختیار کرے

(۱) کذا فی الحموی فتاوی محمودیہ ج ۲ ص ۶۲۵۔

(۲) ذکر الشرح و طالاشباہ بجواز ... ص ۲/۲۲، محمودیہ ج ۲ ص ۶۲۵۔

اوراسی طرح بالعکس لیکن مکمل منتقل ہونا درست ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں ایک مذہب سے انتقال ممکن نہیں ۔علامہ ابن عابدینؒ بالکلیہ انتقال کے متعلق لکھتے ہیں :

"ولو ان رجلا برئ من مذهبه باجتهاد وضح له كان محمودا ماجورا" (۱)

اگر ایک شخص کو اپنے اجتہاد کی بنیاد پر جو اس پر واضح ہوا ہے ایک مذہب سے براءۃ اختیار کرے ،تو یہ اچھی بات ہے اور اس پر اجر دیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدینؒ نے اس عبارت میں اجتہاد کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ انتقال من مذہب الی مذہب ایک صاحب اجتہاد عالم کا کام ہے ہر کسی کو اس بات کی مطلقا اجازت نہیں ۔علماء خواہشات کی بنیاد پر انتقال مذہب سے پاک ہوتے ہیں ۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں ۔اور وہ تقلید مذہب غیر جس کا منشا تتبع رخص ہو اتفاقاً حرام ہے ، بلکہ یہ منصب علماء کا ہے کہ وہ سائل کی حالت دیکھ کر اور تقلید مذہب غیر کی ضرورت دیکھیں تو اس کو اس کی اجازت دیدیں ۔ (۲)

انتقال مذہب کے مسئلہ میں عامی کا حکم :

عالم دلائل کی بنیاد پر ایک مذہب سے دوسرے مذہب کو منتقل ہوسکتا ہے ۔لیکن عوام کو اس بات کی اجازت نہیں ۔کیونکہ عوام خود مسائل اور ان کے دلائل سے ناواقف ہوتے ہیں ان پر فقط علماء کی اتباع واجب ہے ۔عامی کو اگر اس بات کی اجازت دے دی گئی تو اس دین میں فساد کا ایک خطرناک باب کھل جائے گا اور دین بازیچۂ اطفال بن جائے گا چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں ۔

"يدل لذلك مافي القنية رامزا لبعض كتب المذهب . ليس للعامي ان يتحول من مذهب إلى مذهب ويستوى فيه الحنفي والشافعي ." (۳)

---

(۱) رد المحتار باب التعزیر ج ۶ ص ۱۲۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۔ (۲) امداد الاحکام ج ۱ ص [illegible]

(۳) شامی ج ۶ ص ۱۲۹ ، کتاب الحدود [illegible] مذہب ۔

عامی کیلئے جائز نہیں کہ وہ ایک مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرے اور اس میں علامہ ابن عابدینؒ کتاب الشہادات میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ایسے عامی کو جو ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرے، مردود الشہادت قرار دیتے ہیں۔

''(من مذهب أبي حنيفه) أي : استخفافاً قال في القنية من كتاب الكراهية : ليس للعامي أن يتحول من مذهب إلى مذهب ويستوى فيه الحنفي والشافعي، وقيل لمن انتقل إلى مذهب الشافعي ليتزوج له: أخاف أن يموت مسلوب الإيمان لإهانة للدين لجيفة قذرةٍ وفى آخرهٰذا الباب من المنح : وأن انتقل إليه لقلة مبالاته فى الاعتقاد والجرأة على الانتقال من مذهب إلى مذهب كم يتفق له ويميل طبعه إليه لغرضٍ يحصل له فإنه لاتقبل شهادته''۔[1]

اگر استخفافاً کسی نے انتقال مذہب اختیار کیا، قنیہ کی کتاب الکراہیۃ میں نقل ہے: عامی کو جائز نہیں کہ وہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہو جائے اور اس میں حنفی اور شافعی برابر ہے، جو شخص نکاح کی غرض سے شافعی المسلک بن جائے اُس کے متعلق صاحب قنیہ فرماتے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ مسلوب الایمان فوت نہ ہو جائے کیونکہ ایک گندگی اور مردار کی وجہ سے اُس نے دین کی اہانت کی۔ منح سے اس باب کے آخر میں نقل کیا ہے: اگر مذہب غیر میں منتقل ہونا اعتقاد میں قلت مبالات اور منتقل ہونے پر جرأت کی وجہ سے ہے، جیسے منتقل ہونا بھی اُسے پیش آئے اور ایک غرض کی وجہ سے اور طبعیت کی خواہش کی وجہ سے تو ایسے آدمی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

اسی مسئلہ کے متعلق علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ''رہا تقلید مذہب غیر کا مسئلہ سو عامی کو اس کی اجازت نہیں کیونکہ عوام کو اس کی اجازت دینے میں تلاعب بالدین ہے وہ دین

(۱) شامی ج ۸ ص ۲۲ کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ۔

کو کھیل بنالیں گے آج اس کے مذہب میں سہولت دیکھی اس پر عمل کرلیا کل دوسرے کے مذہب پر۔'' (۱)

عامی بعد از تقلید رجوع کرے تو واجب التعزیر ہے:

اگر عامی تقلید کے بعد رجوع کرے تو اس کو سزا دی جائے گی ۔ چنانچہ مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ لکھتے ہیں ۔ الجواب : شخصے کہ مقلد یکے از ائمہ اربعہ باشد و رجوع بعد تقلید کند لائق تعزیر است البتہ شخص محقق کہ اہل فہم ونقد (صاحب اجتہاد) باشد رجوع بہ مذہب امام کردہ مے شود لیکن این نوع مثل عنقاء است ۔ (۲)

(۱) امداد الاحکام ج ۱ ص ۱۷۵ ۔ (۲) فتاویٰ فریدیہ ج ۱ ص ۲۲۸ ۔

اجتہاد اور علمی تجزی کی بناء پر انتقال مذہب کی مثال :

انتقال مذہب کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ ایک قسم یہ کہ مجتہد کا انتقال من مذہب الی مذہب ہو اور یہ جائز ہے۔ جیسے امام طحاوی مجتہد فی المسائل کے درجہ میں ہیں (غیر منصوص مسائل کا حکم منصوص کی روشنی میں متعین کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں) جیسے امام خصافؒ اور امام طحاوی :

امام طحاوی کیسے حنفی بن گئے :

امام طحاوی مشہور حنفی عالم ہیں اور مجتہد فی المسائل میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کا پورا نام ابوجعفر احمد بن سلامۃ الازدی الحجری الطحاوی ہے۔ شرح معانی الآثار آپ کی علمی کاوش ہے۔ ۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۱ھ میں وفات پا چکے ہیں۔ اپنے ماموں امام مزنی سے علمی استفادہ کیا، پھر ان کے مذہب کو چھوڑ کر حنفی المذہب ہو گئے۔ آپ ثقہ عادل فقیہ اور محدث ہیں۔ سیوطیؒ نے آپ کو حفاظ احادیث میں ذکر کیا ہے۔

شیخ ابواسحق ذکر کرتے ہیں کہ آپ شافعی المسلک تھے ایک روز امام مزنی نے آپ کو کہا کہ قسم آپ سے مجھے کوئی چیز خیر کی نہ پہنچی پس آپ غصہ ہو گئے اور ابن ابی عمران کے پاس آئے اور اپنی مختصر کو تصنیف کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ابا ابراہیم یعنی مزنی پر رحم کرے اگر آج زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیتے اور ابویعلیٰ نے ذکر کیا ہے کہ طحاوی مزنی کے بھانجے تھے اور ایک دن محمد بن احمد الشروطی نے طحاوی کو کہا کہ تو نے کیوں اپنے ماموں کے مذہب کی مخالفت کی تو اس نے جواب دیا: "**كان يديم النظر فى كتب الامام ابى حنيفة كذا فى مراة الجنان و تاريخ ابن خلكان**" ۔ [۱] کہ آپ خود ہمیشہ ابوحنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ اسی وجہ سے میں نے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اختیار کیا۔

---

(۱) مقدمہ و ترجمۃ الطحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۶۔

تشہی کی خاطر انتقال من مذہب الی مذہب کی مثال :

علامہ ابن عابدین نے ذکر کیا ہے بحوالہ تاتارخانیہ کہ ایک حنفی شخص نے کسی صاحب حدیث کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا۔ اس صاحب حدیث نے جواب دیا کہ جب تم اپنے حنفی مذہب کو چھوڑ کر ہمارے مذہب کے مطابق فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین وغیرہ پر عمل پیرا نہ ہوگے، میں اپنی بچی تمہارے نکاح میں نہ دوں گا۔ حنفی نے ان شرائط کو مان لیا اور محض نکاح کی خاطر حنفیت چھوڑ کر صاحب حدیث کے زمرہ میں شامل ہوگیا۔ اس واقعہ کی خبر شیخ ابوبکر جوزجانی کو پہنچی تو انہوں نے سر جھکایا اور فرمایا کہ نکاح تو خیر درست ہوگیا لیکن مجھے خطرہ ہے کہ آخری وقت میں اس کا ایمان نہ جاتا رہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے مذہب کا استخفاف کیا ہے جسے وہ حق سمجھے ہوئے تھا اور اس نے محض ایک بدبودار دنیا کے حصول کی غرض سے ترک کردیا۔ الامان والحفیظ۔ [1]

چونکہ تلفیق میں عام طور پر کسی کا مقصد محمود نہیں ہوتا بلکہ قصد مذموم کی خاطر انتقال کیا جاتا ہے۔ قصد مذموم کی نشانیاں مندرجہ ذیل ہیں :

قصدِ مذموم کی نشانیاں :

(۱) مفتی مجتہد کا ترجیح دلیل کے بغیر دوسرے مذہب کو اختیار کرنا یعنی نہ تو وہاں کوئی ضرورت شرعی پائی جاتی ہو اور نہ مجتہد خود دوسرے قول کو راجح سمجھتا ہو، پھر بھی دوسرے مذہب کو کسی وجہ سے اختیار کرے تو یہ ممنوع ہوگا۔ شیخ عبدالغنی النابلسی ارشاد فرماتے ہیں :

''فإنه إذا كان له رأيين في مسئلة و عمل بأحدهما يتيقن له ما عمل به و أمضاه بالعمل فلا يرجع عنه إلى غير إلّا بترجيح ذلك الغير''۔ [2]

---

(۱) مقدمہ محقق مولانا طحاوی شرح معانی الآثار ج ا ص ۶ ۔ (۲) خلاصۃ التحقیق ص ۵

اگر مجتہد کی کسی مسئلہ میں دو رائیں رہی ہوں اور اُس نے ایک رائے پر عمل کرلیا ہو تو عمل کردہ اس کے لئے متعین ہو جاتا ہے اور خود عمل کے ذریعے وہ اس قول کو نافذ کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس قول سے اُس وقت تک رجوع کرنا درست نہ ہوگا، جب تک کہ دوسرے قول کی ترجیح ظاہر نہ ہو جائے۔

(۲) قصد مذموم کی دوسری نشانی یہ ہے کہ مفتی غیر مجتہد خواہ مخواہ بلا اہلیت وصلاحیت کے غیر مذہب پر فتوی دے، لہٰذا ایسے فتوے کا شریعت میں کوئی اعتبار نہ ہوگا، اس لئے کہ اُسے تو صرف علماء ومشائخِ مذہب کی رائے نقل کرنے کا حق ہے۔ اپنی طرف سے رائے دینے کا حق نہیں ہے، چہ جائیکہ مذہب سے خروج کا اختیار ہو، اُصولِ بزدوی میں تحریر ہے :

أجمع العلماء والفقهاء علىٰ أنّ المفتي يجب أن يكون من أهلِ الاجتهاد و إن لم يكن من أهل الاجتهاد فلايحل له أن يفتي إلّا بطريق الحكاية ، ذكره في الكنز . [۱]

(۳) قصد مذموم کی تیسری بڑی نشانی یہ ہے کہ محض رخصتوں کی تلاش اور شہوات کی تکمیل کیلئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا جائے یہ بھی بالکلیہ ممنوع ہے اور اس بنیاد پر خواہ مجتہد خروج کرے یا غیر مجتہد کسی کو بھی عدول عن المذہب کی ہرگز اجازت نہ ہوگی، جیسا کہ ابتداء میں وضاحت ہو چکی ہے۔

اس وضاحت سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ اس زمانے میں فقی مجتہد کا وجود نہیں ہے اور مفتی مجتہد جب کسی مسئلے پر ایک دفعہ عمل کرے تو وہ متعین ہو گیا اور مفتی غیر مجتہد فقط ناقل ہے۔ لہٰذا تلفیق (ترکِ مذہب) اس زمانے میں فقط خواہشات کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

---

(۱) شمس التحقیق ص ۵، مذہب غیر پر فتوی وعمل ص ۳۵۔

ضعیف اقوال پر عمل وفتویٰ

قاضی اور مفتی کے متعلق مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل کے بعد ضعیف اقوال پر عمل اور فتویٰ کے متعلق کچھ بحث کیا جاتا ہے۔

جس طرح حضرات مجتہدین سے اختلاف منقول ہے اور ہر ایک کا اپنا ایک مذہب ہے اسی طرح حضرات فقہائے کرام نے بھی بعض بلکہ اکثر مسائل میں مذہب کے اندر ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔ ان اقوال میں سے بعض راجح اور بعض مرجوح ہیں۔ یا ایک ہی مجتہد سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ جن میں سے ایک راجح ہے اور بعض ضعیف، تو اگر مختلف اقوال منقول ہوں تو ایسی صورت حال میں راجح قوال پر عمل کرنا ہوگا، اور اقوال ضعیفہ متروک ہونگے۔

اقوالِ ضعیفہ متروک العمل ہیں :

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں :

"اعلم : بأن الواجب اتباع ما ☆ ترجيحه عن أهله قد علما
أو كان ظاهر الرواية و لم ☆ يرجحوا خلاف ذاک فاعلم

أي: أن الواجب على مَن أرادأن يعمل لنفسه أويفتي غيرأن يتبع القول الذي رجحه علماء مذهب فلايجوز له العمل أو لإفتاء بالمرجوح ." [۱]

مرجوح قول پر نہ تو فتویٰ دینا جائز ہے نہ عمل کرنا :

مذکورہ اشعار کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص خود عمل کرنا چاہے یا دوسرے کو فتویٰ دینا چاہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قول اختیار کرے جس کو علمائے مذہب نے ترجیح دی ہے۔ کیونکہ مرجوح قول پر نہ عمل جائز ہے نہ فتویٰ دینا، البتہ بعض مخصوص حالات میں مرجوح

(۱) شرح عقود رسم المفتی ص:۲۰۔

قول پرعمل کرنے کی گنجائش ہے۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے اور متعدد علماء نے اس سلسلہ میں اجماع نقل کیا ہے۔

وقد نقلوا الإجماع علیٰ ذلک، ففی الفتاویٰ الکبریٰ للمحقق ابن حجر المکی قال فی زوائد الروضة أنه لایجوز للمفتی والعامل أن یفتی أو یعمل بما شآء من القولین أوالوجهین من غیر نظر و هذا لا خلاف فیه۔ [۱]

علامہ ابن حجر مکیؒ فتاویٰ کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

زوائد الروضہ میں ہے کہ مفتی کے لئے اور عمل کرنے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ غور وفکر کے بغیر دو قولوں میں سے کسی بھی قول پر یا دو وجہوں میں سے کسی بھی وجہ پر فتویٰ دے یا عمل کرے اور زوائد کی بیان کردہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مرجوع اقوال پرفتویٰ تشہی ہے:

علامہ قرافی کے کلام سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے خواہ وہ مجتہد فی المذہب ہوں یا مقلد محض جائز نہیں ہے کہ غیر راجح قول کے مطابق فیصلہ کریں یا فتویٰ دیں کیونکہ ایسا کرنا خواہش کی پیروی کرنا ہے جو بالاجماع حرام ہے۔

قال ابن عابدین : و کلام القرافي دالٌ علیٰ ان المجتهدو المقلد لایحل لها الحکم والإفتاء بغیر الراجع لأنه اتباع للهویٰ وهو حرامٌ إجماعاً ۔ [۲]

تشہی حرام اور قولِ مرجوع کالعدم ہے:۔

امام محقق علامہ قاسم بن قطلو بغاؒ اپنی کتاب تصحیح القدوری کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

میں نے اپنے ائمہ ثلاثہ کے متبعین میں ایسے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو خواہشات پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ میں نے بعض قاضیوں کے منہ سے یہ بات سنی ہے کہ

(۱) شرح العقود رسم المفتی ص ۲۶ ۔ (۲) ایضاً ص ۲۷۔

اس میں یعنی کسی بھی قول کے لینے میں کیا حرج ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں! خواہش کی پیروی حرام ہے اور راجح کے مقابلہ میں مرجوح کا عدم ہے اور کسی مرجح کے بغیر متعارض اقوال میں ترجیح ناجائز ہے۔ (۱)

فتویٰ ظاہر الروایت پر دیا جائے گا:

وہ مسئلہ جو بغیر اختلاف کے ظاہر الروایت میں ہمارے علمائے احناف سے منقول ہو اُس پر فتویٰ دیا جائے گا چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں۔

قال الإمام العلامة الحسن بن منصور بن محمود الأوزجندي المعروف بقاضي خان في كتاب الفتاوى رسم المفتي: في زماننا من أصحابنا إذا استفتى عن مسئلة كانت مروية عن أصحابنا في الروايات الظاهرة بلاخلاف بينهم فإنه يميل إليهم و يفتي بقولهم و لايخالفهم برأيه و إن كان مجتهدا متقنا لأن الظاهر أن يكون الحق مع أصحابنا و لا يعدوهم و اجتهاده لا يبلغ اجتهادهم ولا ينظر إلى قول من خالفهم ولا تقبل حجته أيضا لأنهم عرفوا الأدلة و ميزوا بين ما صح و ثبت و بين ضده۔ (۲)

امام علامہ حسن بن منصور اوزجندی رحمہ اللہ جن کی شہرت بنام قاضی خان ہے۔ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں حنفی مفتی سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور کسی واقعہ کے بارے میں پوچھا جائے تو اگر وہ مسئلہ ہمارے ائمہ سے ظاہر روایت میں بلا اختلاف مروی ہے تو وہ ان کے قول کی طرف مائل ہو اور ان کے قول کے مطابق فتویٰ دے اور ان کے خلاف اپنی رائے نہ چلائے اگرچہ وہ ماہر مفتی ہو کیونکہ حق بظاہر ہمارے ائمہ کے ساتھ ہوگا۔ ان

(۱) شرح عقود رسم المفتی ص ۳۷ (۲) شرح عقود رسم المفتی ص ۱۷۔

سے متجاوز نہ ہوگا اور اس مفتی کا اجتہاد ائمہ کے اجتہاد کو نہیں پہنچ سکتا اور اُن لوگوں کے قول کی طرف التفات نہ کرے جو ائمہ کے خلاف کہتے ہیں، نہ اس کی دلیل قبول کرے کیونکہ تمام
دلائل ہمارے ائمہ کے علم میں آ چکے ہیں اور انہوں نے صحیح ثابت اور اس کے برعکس کے درمیان امتیاز کرلیا ہے۔ ۱ے

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں .... ے

''ولا يجوز بالضعيف العمل ☆ و لابه يجاب من جاء يسأل''
إلّا لعامل لـــــــه ضرورة ☆ أو مَن له معرفة مشهورة
لكنما القاضي به لا يقضى ☆ و إن قضى فحكمه لا يحفى
لا سيّما قضاتنا إذ قيدوا ☆ براجح المذهب حين قلدوا

قدمنا أول الشرح عن العلامه قاسم أن الحكم و الفتيا بما هو مرجوح خلاف الإجماع و أن المرجوح في مقابلة الراجح بمنزلة العدم و الترجيح مرجح فى المتقابلات ممنو ع .'' ۲ے

اور ضعیف قول پر عمل جائز نہیں ہے اور نہ ضعیف قول سے سائل کو جواب دیا جائیگا۔
مگر وہ عمل کرنے والا مستثنٰی ہے، جس کو مجبوری ہے یا وہ مفتی جس کو مہارتِ تامہ حاصل ہے، البتہ قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا اور اگر کرے گا تو وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

(۱) مرجوح قول کے مطابق فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا اجماع کے خلاف ہے۔
(۲) اور راجح قول کے مقابلہ میں مرجوح قول کالعدم ہے۔
(۳) اور متضاد روایات میں کسی مرجح کے بغیر ترجیح دینا ممنوع ہے۔
(۴) اور جو شخص بس اتنی بات پر اکتفاء کرتا ہے کہ اس کا فتویٰ یا عمل کسی بھی قول یا وجہ کے مطابق ہو جائے اور مختلف اقوال و وجوہ میں سے ترجیح میں غور وفکر کئے بغیر جس قول پر یا جس

وجہ پر چاہتا ہے عمل کرتا ہے، وہ یقیناً نادان ہے اور خرقِ اجماع کرتا ہے۔

بوقتِ ضرورت ضعیف قول پر عمل جائز ہے :

احنافؒ کے نزدیک بوقت ضرورت مذہب کے ضعیف قول پر عمل کرنے کا جواز ثابت ہے اس دلیل سے کہ فقہاء نے مسافر کو اور اس مہمان کو جو شبہ سے ڈرتا ہے، اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرے، اُن کے نزدیک اگر کوئی شخص مہمان یا مسافر خواب دیکھے اور جب اُسے بدخوابی کا احساس ہو تو عضو کو مضبوط پکڑ لے اور جب شہوت سست پڑ جائے تو چھوڑ دے تو اس پر غسل واجب نہیں کیونکہ اُن کے نزدیک غسل واجب ہونے کے لئے منی شہوت کے ساتھ عضو سے نکلنا شرط ہے، حالانکہ امام ابو یوسفؒ کا یہ قول فقہ حنفی میں راجح قول کے خلاف ہے، مگر علماء نے بوقتِ ضرورت اس پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔

ضعیف قول اور علامہ قاسم بن قطلو بغاؒ :

علامہ ابن عابدینؒ آگے رقمطراز ہیں :

ضعیف قول یا مذہب پر فیصلہ جائز نہیں۔ میں نے شعر ۸۲ میں کہا ہے کہ قاضی اپنے مذہب کے ضعیف قول پر فیصلہ نہیں کر سکتا، اسی طرح کسی اور امام کے مذہب پر بھی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ علامہ قاسم رحمہ اللہ لکھتے ہیں : ابو العباس احمد بن ادریس قرافی مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے :

"کیا حاکم (قاضی) پر واجب ہے کہ وہ اپنے نزدیک جو راجح قول ہو بس اسی کے مطابق فیصلہ کرے جیسا کہ مفتی پر واجب ہے کہ اپنے نزدیک جو قول راجح ہے اسی کے مطابق فتویٰ دے یا حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ دو قولوں میں سے کسی ایک پر فیصلہ کرے، اگر چہ وہ قول اس کے نزدیک راجح نہ ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حاکم اگر مجتہد ہے تو اس کے لئے فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا

اُسی قول کے مطابق جائز ہے جو اس کے نزدیک راجح ہے، اور اگر وہ مقلد ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے مذہب کے مشہور قول کے مطابق فتویٰ اور اس کے مطابق فیصلہ کرے، اگر چہ وہ قول اُس کے نزدیک راجح نہ ہو۔ محکوم بہ (یعنی حکم) کی ترجیح میں اپنے اس امام کی پیروی کرتے ہوئے جس کی وہ تقلید کرتا ہے، جیسا کہ وہ فتویٰ میں اس امام کی تقلید کرتا ہے اور فتویٰ اور فیصلہ میں خواہش کی پیروی کرنا بالاجماع حرام ہے۔ اسی طرح مرجوح قول کے مطابق فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا بھی اجماع کے خلاف ہے۔

آگے علامہ قاسم سے نقل کرتے ہیں:

''مقلد قاضی کے لئے ضعیف قول پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اہلِ ترجیح میں سے نہیں ہے، پس وہ صحیح قول سے عدول نامناسب مقصد ہی کے لئے کرے گا اور اگر کوئی قاضی فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا، کیونکہ اس کا وہ فیصلہ ناحق فیصلہ ہے کیونکہ حق صحیح قول ہی ہے اور وہ بات جو منقول ہے کہ ضعیف قول فیصلہ کی وجہ سے قوی ہو جاتا ہے تو اس سے مراد مجتہد کا فیصلہ ہے، جیسا کہ اُس کی وضاحت اپنی جگہ میں کی گئی ہے۔ [۱]

علامہ وھبہ زحیلیؒ فرماتے ہیں:

ضعیف قول پر عمل جائز نہیں، اگر چہ خود عمل کرتا ہے اور اس میں مفتی اور قاضی کا فرق نہیں ہے۔ مفتی اور قاضی بلا ضرورتِ معتبرہ کے ضعیف قول پر عمل نہیں کرسکتا ہے۔ البتہ ضرورت کی بنیاد پر تیسرا علی الناس قولِ ضعیف پر فتویٰ دینا جائز ہے:

لایجوز العمل بالضعیف من الروایة و لو فی حق نفسه بدون فرق بین المفتي و القاضي إلیٰ قوله لکن یجوز الإفتاء بالقول الضعیف للضرورة تیسرا علی الناس۔ [۲]

(۱) آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ص:۱۲۲تا۱۳۲۔

(۲) الفقه الإسلامي ج:۱،ص:۵۹ ، إعلام الموقعین ج:۲،ص:۲۶۰۔

مذہب کے ضعیف قول کو اگر ضرورت کے تحت اختیار کرنا پڑے تو تمام شرائط کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مذہب کے ضعیف قول کو ضرورت کے تقاضا پر اختیار کرنا جائز ہے مطلقاً اقوال ضعیفہ کو ہر کسی کے لئے اختیار کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه اجمعين

الطيبين الطاهرين.

فرغت من تصحيحه بفضله وعونه تعالى

بيوم الثلاثه ۵ ذى الحجه ۱۴۳۰ھ

شاہ اورنگزیب حقانی عفی عنہ

فاضل ومتخصص جامعه حقانيه اكوڑه خٹک

مدرس وناظم تعلیمات جامعہ ابوھریرۃ نوشہرہ

اسلام میں اسرار کی اہمیت وحفاظت

اردو ترجمہ:

حفظ الأسرار بتعلیم سیّد الابرار (صلی اللہ علیہ وسلم)

تحفظ راز کے متعلق منفرد اور انوکھے انداز میں مکمل، مدلل، علمی اور تحقیقی رسالہ۔

تأ لیف: مولانا عبدالباقی حقانی

سابق مدرس دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

مترجم: مولانا مفتی شاہ اورنگزیب حقانی

مدرس جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

ناشر: مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ!

موبائل فون کے شرعی احکام

مؤلف

مولانا مفتی شاہ اورنگزیب حقانی

مدرس جامعہ ابوھریرہ

پیش لفظ

مولانا عبدالقیوم حقانی



تقریظات وتائیدات

مولانا مفتی غلام قادر نعمانی مدظلہ

استاد و مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا مفتی عبداللہ شاہ مدظلہ

استاد و مفتی دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ

مولانا مفتی مختار اللہ حقانی مدظلہ

استاد و مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوھریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ